بسم الله الرحمن الرحيم

صحابہ اور اہل بیتؑ کے درمیان وحدت اور

شفقت کا تنقیدی جائزہ

مؤلف:

آیت اللہ جعفر سبحانی

مترجم:

سید اصغر علی کاظمی

کتاب کا نام: صحابہ اور اہل بیت کے درمیان وحدت اور شفقت کا تنقیدی جائزہ
مؤلف: آیت اللہ جعفر سبحانی
مترجم: سید اصغر علی کاظمی
مصحح: ڈاکٹر جعفر رضی خان
نظر ثانی: سید مبین حیدر رضوی
پبلشر: موسسہ فرہنگی ہنری مشعر
ایڈیشن: فروری ۲۰۱۵ء
تعداد:
قیمت:
مشعر کے ہول سیلرز:
تہران: ٹیلیفون نمبر: ۶۴۵۱۲۰۰۳ ـ ۰۲۱
قم: ٹیلیفون نمبر: ۳۷۸۳۸۴۰۰ ـ ۰۲۵

فہرست

عرض ناشر ۹

پیش گفتار ۱۱

شیخ صالح درویش کا کارنامہ: ۱۳

کتاب کے مضامین کا خلاصہ: ۱۴

اس تنقید میں سب سے پہلے: ۱۵

دو گروہوں کے اختلاف کا محور: ۱۵

۱۔ تفرقے کا سبب کیا ہے؟ ۱۷

تجزیہ: ۱۷

۱. پیغمبر اعظم ﷺ کو خط لکھنے سے روکنا: ۱۷

۲. اہلبیتؑ کے بغیر خلیفہ کا تقرر........................ ۱۹

۳. حضرت فاطمہؑ کو وراثت سے محروم کرنا........... ۲۱

۴: خانۂ وحی کی ہتک حرمت........................ ۲۲

۲. ایک مشترک نکتہ ۲۶

تجزیہ: ۲۷

۱. کافی: ۲۷

۲. بحار الانوار ۲۸
۳. فضائل اہلبیت علیہم السلام ۳۱
تجزیہ: ۳۲
صحابہ کے مقام پر دلائل کا جائزہ:........................ ۳۵
۴. وحدت کا پیام.. ۴۰
تجزیہ: ۴۰
۵. صحبت میں رہنے کا افتخار.............................. ۴۳
تجزیہ و تبصرہ: ۴۳
تجزیہ و تبصرہ: ۴۶
۶. تاریخ میں ایک استثناء ۴۸
تجزیہ: ۵۰
۱. پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے والے: ۵۴
۲. نبی کریمؐ کو تکلیف پہنچانے والے: ۵۴
۳. حق اور حقیقت کے منکر: ۵۵
۷. اہل بیتؑ کا اپنے بیٹوں کے نام، خلفاء کے ناموں پر رکھنا... ۵۶
جائزہ اور تبصرہ: ۵۷
اصحاب میں نامِ ابوبکر: ۵۸
اصحاب میں نامِ عمر: ۵۸

اصحاب میں نامِ عثمان: ۵۹
صحابی خواتین میں نامِ عائشہ: ۶۰
۸. رشتہ داری یا قربت ۶۲
تجزیہ و تبصرہ:.. ۶۲
ام کلثوم کی شادی اور اس کا سبب: ۶۴
شادی اور رشتہ مانگنے کی رسم کی کیفیت: ۶۵
ضمیر کا فیصلہ : ۶۷
امام صادقؑ نواسہ ابوبکر !:.............................. ۶۹
تجزیہ وتبصرہ: ۶۹
۹ .صحابہ کے درمیان شفقت اور محبت.......................۷۰
تجزیہ اور تبصرہ:.. ۷۳
پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کلام سے ایک گواہی: ۷۹
تجزیہ:..۸۲
ایک دلچسپ کہانی: ۸۶
تجزیہ : ۸۷
نہج البلاغہ سے ایک گواہی :.......................... ۸۸
تجزیہ : ۸۹
صحابہ کے مختلف گروہ: ۹۳

۱۰. ثقل اکبر و ثقل اصغر ۹۶
تجزیہ وتبصرہ: ۹۷
دوستانہ شکوہ: ۹۹
۱۱۔ تفرقہ آمیز افسانہ یا حضرت زہراؑ کی شہادت؟! ۱۰۰
تجزیہ وتبصرہ: ۱۰۱
عائشہ، اور حضرت زہراؑ کی مظلومیت کی داستان : ۱۰۳
۱۲. دست نیاز ۱۰۴

عرض ناشر

خداوند عظیم نے قرآن پاک میں جہاں کہیں بھی مسلمانوں کی وحدت اور یک جان ہونے کی بات کی ہے وہاں مکمل طور پر اس کام کو سراہا ہے اور اس سلسلے میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی کہا ہے[1]. حتیٰ کہ صرف لفظی اور زبانی اخوت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ لوگوں کو ایک دوسرے کے حقوق کا لحاظ رکھنے کی بھی تاکید کی ہے.

اس کے مقابلے میں خداوند کریم نے جس جگہ بھی تفرقے اور انتشار کی بات کی وہاں اس کی مذمت فرمائی اور اسے مسلمانوں کے لیئے عذاب شمار کیا ہے[2].

قرآن کی نظر[3] میں متضاد اور غیر ہم آہنگ معاشرہ ایک ایسے انسان کی مانند ہے جو کنوئیں میں گر چکا ہو اور مرنے کے قریب ہو. ظاہر ہے ایسے شخص کی زندگی اسی میں ہے کہ کنوئیں کے باہر سے جو رسی اس کی طرف لپکائی جائے اسے فوراً تھام لے اور اپنے آپ کو نجات دے. وہ حیات بخش رسی اسلامی معاشرے میں کہ جو افکار اور نظریات کے انتشار کا شکار ہے، یہی متفقہ عقائد اور احکام کو لے لینا اور اختلافی نقاط کو نظر انداز کرنا ہے. یہ اختلافات ایسے ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کتاب اور سنت سے دوری کی بنا پر ظاہر ہوئے ہیں.

قرآنی آیات اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کا جائزہ دو قسم کی توحید کی یاد دہانی کراتا ہے کہ ہر ایک دوسرے کی تکمیل کرتا ہے.

۱۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ: "بیشک مؤمنین آپس میں بھائی ہیں" حجرات: ۱۰

۲۔ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعاً وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ: "تمہیں پراکندہ گروہوں کی شکل میں بنا دیا اور تم میں سے ہر ایک کو دوسرے کے وسیلے سے عذاب کا مزہ چکھایا" سورہ انعام: ۶۵۔

۳۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعاً وَلَا تَفَرَّقُوا: "اور اللہ کی رسی کو مل کر مضبوطی سے پکڑے رکھو اور پراکندہ نہ ہو" آل عمران: ۱۰۳

۱. "کلمہ توحید": کلمہ اخلاص "لا الہ الا اللہ" کہ جس کا نچوڑ اس ہستی پر عقیدہ رکھنا ہے جو اس کائنات کا آغاز ہے اور جو خالق، ربّ اور معبود ہے.

۲. "توحید کلمہ": اس کا مطلب مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک کرہ ارض پر موجود مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی طاقتوں کا متحد ہونا ہے تاکہ ان چھوٹی طاقتوں کے اتحاد سے ایک بڑی طاقت وجود میں آئے اور وہ بڑی طاقت اسلام کے پرچم کو اپنے دوش پر اٹھائے تمام اہل عالم کی توحید کی جانب رہنمائی کرے.

لیکن بدقسمتی سے موجودہ دورہ میں بعض وحدت کے دعوے داروں نے اس مقدس نام سے سوئے استفادہ کیا ہے اور "وحدت کی طرف دعوت" کے عنوان سے کتابچے چھاپ کر اختلافات کو بھڑکایا اور انہیں مزید پھیلایا ہے. اس ہدف تک پہنچنے کی خاطر وہ تمام وسائل کو بروئے کار لائے ہیں اور اور گالم گلوچ، جھوٹ اور بیہودہ باتوں سے مالامال ایسی بے قدر و قیمت کتابیں لکھی ہیں جو کہ دشمن کی مدد کرنے کے مترادف ہیں.

یہ مختصر تحریر جناب شیخ صالح درویش، جو قطیف کی عام عدالت کے جج ہیں، کی طرف سے لکھی گئی کتاب "**صحابہ اور اہل بیت کی آپس میں وحدت اور شفقت**" پر تنقیدی صورت میں لکھی گئی ہے اور ان کی کتاب کے علمی پہلوؤں کا تجزیہ و تبصرہ کیا گیا ہے.

امید ہے کہ یہ تحریر حقیقت کے متلاشیوں کے لیئے چراغ راہ ثابت ہوگی اور اس کتاب کے مصنف اور مترجم کو بیدار اور خبردار کرنے اور اختلافات کو پھیلانے سے روکنے کا سبب بنے گی.

تعاون برائے تربیت و تحقیق

دفتر رہبر معظم انقلاب

۱۳۸۵،۷،۲۶

پیش گفتار

حمد و ستائش ہے اس خداوند عظیم کی کہ جس نے اس عالم اور اہل عالم کو خلق کیا اور ہر مخلوق کی تکامل کے راستے کی طرف رہنمائی فرمائی اور انسان کی ابتدائی ہدایت کے علاوہ عظیم پیغمبروں اور ان کے عظیم اوصیاء کے وسیلے سے بھی ہدایت فرمائی.

ہزاروں درود و سلام ہوں اس عظیم الشان پیغمبر ﷺ پر کہ جن کا آئین تمام آئینوں کا خاتم، جن کی کتاب تمام آسمانی کتابوں کی خاتم اور جن کی شریعت تمام شریعتوں کو خاتمہ بخشنے والی ہے.

درود و سلام ہو خاندان رسالت ﷺ پر جو آنحضرت ﷺ کی قیمتی نشانی اور قرآن کے ہم وزن ہیں اور پیغمبر اکرم ﷺ نے ان دونوں (قرآن اور اہلبیتؑ) سے تمسک کی ہدایت فرمائی اور ان دو سے کسی بھی قسم کی جدائی کو گمراہی کا باعث جانا ہے.[۱]

درودِ خداوند ہو اس آسمانی ہادی پر کہ جس نے چودہ سو سال پہلے الٰہی وحی کے ذریعے سب کو "توحید کلمہ" کی طرف بلایا اور فرمایا: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعاً وَلا تَفَرَّقُوا[۲]، گویا کہ چند گروہوں میں تقسیم شدہ متفرقہ امت اندھیرے کنوئیں میں گرے ہوئے اس انسان کی مانند ہے جسکی نجات کے لیئے ایک رسی اس کنوئیں میں ڈالی جائے جسے تھام کر

۱۔ دونوں گروہوں (شیعہ اور سنی) کے محدثین نے پیغمبر گرامی ﷺ سے اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ: "انی تارك فيكم الثقلين، كتاب الله وعترتي، ما ان تمسكتم بهما لن تضلوا ابدا"

۲۔ آل عمران: ۱۰۲ "اور اللہ کی رسی کو مل کر مظبوطی سے پکڑے رکھو اور پراکندہ نہ ہو"

وہ ہلاکت سے نجات حاصل کر سکے۔

یہ بات واضح ہے کہ آج کی اسلامی امت بھی گزشتہ کچھ ادوار کی طرح تفرقے اور انتشار کا شکار ہے۔ اس رو سے درد امت رکھنے والے مفکرین چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں نزدیکی اور قربت لائیں۔ اس ہدف اور آرزو تک پہنچنے کے دو راستے ہیں:

۱. تمام گروہوں کو ایک گروہ میں ضم کر دیا جائے اور ایک عقیدہ رکھنے والا واحد فرقہ تشکیل پائے۔

۲. تمام گروہوں کے سربراہ مشترکہ نقاط پر متفق ہو جائیں اور اختلافی مسائل پر دینی مدارس کے اندر علمی ماحول میں بحث اور گفتگو کریں۔ نیز کوئی بھی قبل از وقت فیصلہ کیے بغیر ان مسائل کو تحقیق کے حوالے کر دیں۔

ظاہر ہے کہ پہلا راستہ عملی طور پر ممکن نہیں ہے۔ جو لوگ اسلامی معاشروں سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ کام ایک آرزو کے علاوہ کچھ نہیں اور "تذویب" (ضم ہو جانا) کی طرف دعوت ایک محال کام کی طرف دعوت کے مترادف ہے جبکہ دوسرا راستہ ایک عملی اور نپاتلہ راستہ ہے جس کا کئی سال پہلے مصر اور ایران میں آغاز ہو چکا ہے اور سنہ ۱۳۲۷ھ سے مصر میں ایک مرکز "دار التقریب بین المذاھب الاسلامیة" قائم ہو چکا ہے۔ تقریب کا درد رکھنے والا یہ گروہ کئی سال تک اپنے اعلیٰ نظریات کو ایک جریدہ "رسالة الاسلام" کے ذریعے سے چھپتا رہا کہ جس پر بدقسمتی سے چند سیاسی وجوہات کی بنا پر پابندی لگا دی گئی۔ ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ایک بار پھر "رسالة التقریب" کے عنوان سے ایک مجلّہ چھپ رہا ہے جس میں تقریب کا جذبہ رکھنے والے افراد اپنے اس ہدف سے متعلق مفید مقالہ جات لکھتے ہیں۔

بدقسمتی سے ایک گروہ، سلفی دعوت کے ساتھ، یک طرفہ طور کوشش کر رہا ہے کہ مذہبی اختلافات کو ہوا دی جائے اور اس طرح انہوں نے اختلافات کی آگ کو بھڑکا کر

دین میں ایک قسم کی بدعت ایجاد کی ہے جبکہ سب کو کتاب و سنت کی طرف جانا چاہئے جس کے سامنے سلف اور خلف سب برابر ہیں.

شیخ صالح درویش کا کارنامہ:

جناب شیخ صالح درویش کی اب تک دو تصانیف

۱. "حول الصحبة والصحابة"

۲." تأملات فی نہج البلاغہ "کے عنوان سے سامنے آچکی ہیں. ان کتابوں پر تنقید کی صورت میں دو کتابیں:

۱. "حوار مع الشیخ الصالح بن عبد اللہ الدرویش حول الصحبة والصحابة"

۲. "حوار مع الشیخ الصالح بن عبد اللہ الدرویش حول تأملات فی نہج البلاغہ"

کے عنوان سے چھپ چکی ہیں اور ان کے دفتر کو ارسال کر دی گئی ہیں لیکن بد قسمتی سے ابھی تک ان کا کوئی جواب نہیں آیا.

انہوں نے گزشتہ آخری کتابچہ "وحدت و شفقت صحابہ و اہلبیت" کے عنوان سے چھپوایا ہے جو حرمین شریفین کے زائرین میں تقسیم کیا جاتا ہے. اصل کتاب جناب شیخ صالح درویش کے قلم سے لکھی گئی ہے اور ایک شخص "عبداللہ حیدری "نے ایک تمہید کے ساتھ اسکا فارسی میں ترجمہ کیا ہے.

آیت مبارکہ "ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ "کے حکم کے مطابق ہم نے یہ ضروری سمجھا کہ اس کتاب میں درج عناوین کی وضاحت کریں. البتہ اگر مصنف اور مترجم کتاب "حول الصحبة والصحابة" پر ہونے والی

تنقید کا بغور مطالعہ کر لیتے تو دوبارہ اس قسم کی کتاب کو چھاپنے یا ترجمہ کرنے کا نہ سوچتے کیونکہ ان کے اہم ترین نظریات پر وہاں واضح تنقید کی گئی ہے.

کتاب کے مضامین کا خلاصہ :

مصنف اپنی کتاب کے پیش لفظ میں اہلبیتؑ کے فضائل اور صحابہ کے درجات اور ان کی پیغمبر اکرم ﷺ کی ہم نشینی پر افتخار کو بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ان دو گروہوں (اہلبیتؑ اور صحابہ) کی آپس میں دو دلائل کی بنا پر انتہائی الفت اور محبت تھی؛

۱. اہلبیتؑ کا اپنے بیٹوں کے نام صحابہ کے ناموں پر رکھنا.

۲. صحابہ اور اہلبیتؑ کے درمیان رشتوں کا ہونا.

اسکے بعد یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ صحابہ اور اہلبیتؑ دونوں کے حقوق کا لحاظ رکھنا چاہیئے. پھر شیعہ سنی اختلاف کو ایک نکتے میں خلاصہ کرتے ہیں اور وہ یہ کہ شیعہ بناوٹی طور پر ظالموں (بعض صحابہ) سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں جبکہ مندرجہ بالا دو دلائل کی بنا پر اس اظہار بیزاری کی کوئی وجہ نہیں بنتی.

اس کتاب کے مصنف ظاہری طور پر صرف اظہار بیزاری کے مسئلے کی نفی کرنا چاہتے ہیں لیکن حقیقت میں اصل تشیّع کو رد کرنے کے درپے ہیں کیوں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں تشیّع "بعض صحابہ سے بیزاری کے اظہار" کا ہی نام ہے.

مندرجہ بالا نکتے پر تنقید کے طور پر ہم پہلے شیعہ اور سنی کے درمیان اختلاف کے محور کا ذکر کرتے ہیں تا کہ یہ پتہ چل جائے کہ اختلاف کی جڑیں بنیادی اور عقائدی ہیں اور اس اختلاف کی بنیاد "بعض صحابہ سے برائت کے اظہار" پر نہیں ہے.

اس تنقید میں سب سے پہلے:

دو گروہوں کے اختلاف کا محور:

اس طرح کا جائزہ(اختلاف کو کسی ایک رویے میں خلاصہ کرنا) مسلمانوں میں اختلاف کے محور سے آگاہی نہ ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ اختلاف چند صحابہ (نہ سب کے سب اور نہ ہی اکثریت) سے بیزاری میں نہیں ہے کہ اس مشکل کو اس انداز میں پیش کرکے حل کیا جائے، بلکہ یہ اختلاف ایک بنیادی عقیدتی مسئلے پر ہے اور وہ یہ کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد مسلمانوں کا سیاسی اور علمی مرجع (جہاں مسلمان رجوع کرسکیں) کون ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے اس مرجع کا اپنی زندگی میں تعارف کروایا یا امت کو اپنے حال پر چھوڑ دیا اور نہ اس بارے میں خداوند کی جانب سے کوئی وحی آئی نہ ہی خود پیغمبر اکرم ﷺ کی طرف سے کوئی تدبیر اختیار کی گئی؟

اب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ:

کیا بعض صحابہ اور اہلبیتؑ میں شادیوں کا ہونا یا بعض بچوں کے نام خلفاء کے نام پر رکھنا اس مسئلے کو حل کرتا ہے؟

کیا یہ گہرا اختلاف ان دو باتوں سے حل ہو جاتا ہے؟

اصولاً تو جس بات کا دعویٰ کیا گیا ہے اور اس پر جو دلیل لائی گئی ہے ان دونوں کے درمیان کوئی منطقی رابطہ ہونا چاہیئے تاکہ دلیل پر غور کرنے سے دعوے کو ثابت کیا جاسکے.

شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد امت کی رہبری کو حدیث غدیر، حدیث ثقلین اور حدیث سفینہ میں معین کردیا گیا ہے مسلمانوں کو چاہیئے کہ کتاب اللہ اور پیغمبر اکرم ﷺ کی صحیح سنت کے بعد ان کی طرف رجوع کریں جبکہ اہل

سنت کا دعویٰ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں خاموشی اختیار کی اور امت اسلامی خود ہی اپنے حاکم اور رہبر کا انتخاب کرے.

اب یہ سوال پیش آتا ہے کہ ان دو نظریوں میں کون سا درست ہے؟ جناب شیخ صالح دو دلائل کی بنا پر دوسرے نظریے کو صحیح سمجھتے ہیں.

۱. اہلبیتؑ اور بعض صحابہ کے درمیان رشتے اور شادیاں ہوئیں.

۲. اہلبیتؑ کے بعض بچوں کے نام خلفاء کے ناموں پر رکھے گئے.

کیا اس طرح کا استدلال ٹھیک ہے؟ اور کیا ان دونوں کے درمیان کوئی منطقی رابطہ ہے؟

کتاب کا نام "وحدت و شفقت" اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ مصنف اور مترجم دونوں فرقوں کے درمیان نزدیکی کے خواہش مند ہیں لیکن اس ہدف تک پہنچنے کے لیے بہتر تو یہ تھا دونوں فرقوں میں پائے جانے والے بے شمار مشترکہ نکات کا ذکر کیا جاتا اور اختلافی مسائل کو علماء کی محافل کے سپرد کیا جاتا، نہ یہ کہ صرف دو تاریخی مسائل کے ذریعے ایک عقیدتی مسئلے پر استدلال کریں.

مزید برآں یہ کہ ہم آگے جا کر یہ بھی ثابت کریں گے کہ ان دو تاریخی باتوں کے بالفرض صحیح ہونا بھی اہلبیتؑ اور صحابہ کے درمیان ہم دلی اور الفت کی علامت نہیں ہے اور اہلبیتؑ کی مظلومیت، ان لوگوں کی طرف سے کہ جن سے بیزاری کا اظہار کیا جاتا ہے، تاریخی لحاظ سے ایک ناقابل انکار امر قاطع ہے.

اس کتاب کے بارے میں مجموعی وضاحت کے بعد اب ہم اس کے مضامین کا تنقید جائزہ لیں گے.

جعفر سبحانی
قم

۱۔ تفرقے کا سبب کیا ہے؟

جناب شیخ صالح کے کلام سے الہام لیتے ہوئے (مترجم) بعض صحابہ سے بیزاری کو فرقے کا سبب سمجھتا ہے اور پھر اس کام کی مذمت کرتے ہو صحیح بخاری کی ایک حدیث سے استدلال کرتا ہے. حدیث قدسی میں آیا ہے: "من عادیٰ لی ولیاً فقد آذنتہ بالحرب"[۱] "جو کوئی بھی میرے دوستوں میں سے کسی کے ساتھ دشمنی کرے، میں اس کے ساتھ اعلان جنگ کروں گا."

تجزیہ:

محترم مترجم نے تفرقے کے ایک نہایت سطحی قسم کے سبب کو بیان کیا ہے جبکہ حقیقی سبب کو بتانے سے گریز کیا ہے. تفرقے کا اصلی سبب بعض صحابہ سے بیزاری نہیں ہے، بلکہ اس سطحی عامل کے پیچھے متعدد اسباب کارفرما ہیں جن کی وجہ سے یہ سبب وجود میں آیا ہے. لہٰذا بہتر ہے کہ ہم اس سبب کے اصلی اسباب اور جڑوں تک پہنچا جائے.

اب ہم مسلمانوں میں تفرقے اور گروپ بندی کے بعض اسباب کا ذکر کرتے ہیں:

۱. پیغمبر اعظم ﷺ کو خط لکھنے سے روکنا:

جناب بخاری اپنی صحیح میں ایسے چھ مواقع کو نقل کرتے ہیں کہ جن میں پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں فرمایا: قلم، کتاب اور کاغذ لے کر آؤ تاکہ

۱۔ صحیح بخاری، حدیث ۶۵۰۲

میں تمہارے لیئے ایک ایسی چیز لکھ دوں جس کے بعد تم تا ابد گمراہ نہ ہو. نبی کریم ﷺ کے فرمان پر بعض نے اختلاف کیا اور بعض نے اتفاق. جب اہل مجلس نے آپس میں نزاع کرنا شروع کر دیا تو نبی کریم ﷺ نے سب کو حکم دیا کہ مجلس سے چلے جائیں اور فرمایا: پیغمبر کے حضور اس طرح نزاع اور جھگڑا ٹھیک نہیں. حدیث کا متن کچھ طرح سے ہے:

"لما اشتدّ بالنبیؐ ﷺ وجعه، قال: ائتونی بکتاب اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعده. قال عمر: انّ النبیؐ غلبه الوجع، و عندنا کتاب الله حسبنا، واختلفوا و کثر اللغط، قال: قوموا عنی ولا ینبغی عندی التنازع، قال ابن عباس: انّ الرزیة کلّ الرزیة ما حال بین رسول الله و بین کتابه"[۱]

"جس وقت نبی ﷺ کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو فرمایا:

ایک کاغذ لے کر آئیں کہ میں کچھ لکھوں تاکہ میرے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو.

عمر نے کہا: پیغمبر پر بیماری کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس خدا کی کتاب ہے اور وہی ہمارے لیئے کافی ہے.

اس دوران مجلس میں موجود افراد میں آنخضرت ﷺ کے حکم کے بارے میں اختلاف پڑ گیا (بعض نے کہا لے آؤ، بعض نے منع کر دیا) اور شور زیادہ ہوگیا. پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: اٹھ جاؤ اور مجلس کو ترک کر دو، یہ بات شایان شان نہیں ہے کہ میری موجودگی میں تم لوگ جھگڑا کرو.

ابن عباس کہتے ہیں: مسلمانوں پر مصیبت اس وقت شروع ہوئی جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کو خط لکھنے سے روکا."

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ اختلاف کی جڑ کہاں پر ہے؟ اگر وہی ایک فرد یا چند افراد اس

۱۔ صحیح بخاری، حدیث ۱۱۴، یہ حدیث صحیح بخاری میں ان نمبروں کے ساتھ بھی آئی ہے: ۳۰۵۳۔ ۳۱۶۸۔ ۴۴۳۱۔ ۴۴۳۲۔ ۵۶۶۹۔ ۷۳۶۶۔

تحریر، کہ جو امت کی ہدایت کا باعث تھی، کے لکھنے میں مانع نہ ہوتے تو مسلمانوں میں یہ گروہ بندی نہ ہوتی.

بہتر تھا کہ اس کتاب کے مصنف جو کہ فرقوں کی نزدیکی (تقریب) کے خواہش مند ہیں، سطحی سبب کے بجائے اس واقعی سبب کا سہارا لیں اور ابن عباس کی طرح اس تحریر کو لکھنے سے روکنے پر افسوس کا اظہار کریں اور جنہوں نے نبی کریمﷺ کو بستر بیماری پر اذیت پہنچائی ان کی مذمت کریں کیونکہ قرآن مجید ان لوگوں کے بارے میں کہ جو پیغمبر اکرمﷺ کو اذیت پہنچائیں، فرماتا ہے:

"إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا"[۱]

"بیشک جو لوگ خدا اور اس کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں، خدا ان سے دونوں جہانوں میں بیزار ہے اور ان کے لیئے خوار کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے"

۲. اہلبیتؑ کے بغیر خلیفہ کا تقرر

ابھی پیغمبر خداﷺ کا پاک پیکر زمین پر تھا اور علیؑ اور باقی بنی ہاشم خاندان تجہیز میں مشغول تھا کہ اس دوران انصار کے ایک گروہ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں ایک جلسہ رکھا تاکہ مسلمانوں کی قیادت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لیں. جب ابوبکر اور عمر کو اس نشست کے بارے میں معلوم ہوا تو دوسروں کو اس بات کی خبر کیے بغیر، تجہیز و تکفین والے گروہ سے باہر نکل آئے اور ابوعبیدہ جراح کے ہمراہ سقیفہ بنی ساعدہ پہنچ گئے. کچھ دیر آپس میں کشمکش اور اختلاف کے بعد قبیلہ اوس کے سردار نے قبیلہ خزرج (کہ جس کے حق میں فیصلہ ہونے کو تھا) کو پیچھے ہٹانے کی خاطر فوراً ابوبکر کی بیعت کرلی. یہی سبب بنا کہ ان دونوں افراد نے ان لوگوں کے ہمراہ کہ جو اس (ابوبکر) کی بیعت کر چکے تھے، سقیفہ والے

۱۔ احزاب، ۵۷

جلسے کو ترک کیا اور مسجد کی طرف واپسی پر لوگوں سے بیعت لی.

آیا یہ صحیح تھا کہ اہلبیتؑ اور خاص طور پر امیر المؤمنین علی علیہ السلام اور خاندان بنی ہاشم کی غیر موجودگی میں سیاسی کھیل کے ذریعے خلیفے کا تعین کریں اور اس طرح مسلمانوں میں تفرقے کا سنگ بنیاد رکھیں؟

صحیح اور منطقی طریقہ یہ تھا کہ اس مجلس میں سب کو شوریٰ کی طرح دعوت کریں اور اس میں چنندہ صحابی اور خاص طور پر پیغمبر اکرم ﷺ کے اہلبیتؑ شرکت کریں تاکہ خلیفہ کے تعین کو واضح کیا جاسکے جبکہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور سب کو غافل رکھتے ہوئے ایک گروہ کی بیعت پر اکتفا کیا اور بعد میں وعدے اور وعید کی بنیاد پر باقی لوگوں سے بیعت لی اور جن کو چھوڑ دیا وہ پیغمبر اکرم کا خاندان بالخصوص حضرت علی علیہ السلام تھے کہ جن کو رسول خدا ﷺ کی کئی دفعہ (بالخصوص غدیر خم کے مقام اور حجۃ الوداع سے واپسی پر) امت کی امامت اور خلافت کے لیئے متعارف کروایا تھا.

یہ وہ نکات ہیں جو تاریخ میں ثابت شدہ ہیں اور ان کے لیئے کسی قسم سند کی ضرورت نہیں البتہ ہم ان اسناد کو حوالہ جات کے ضمن میں درج کرتے رہیں گے.[۱]

مصنف نے ان اس اختلاف کے اسباب اور ان کو مہیا کرنے والوں کو نظر انداز کیا ہے اور ایک جزئی مسئلے، یعنی چند صحابہ کہ جن کے اعمال کی غلطی ثابت شدہ ہے، پر توجہ دی ہے. حالانکہ صحابہ سے بیزاری کوئی مطلوبہ شے نہیں کیونکہ یاران پیغمبر ﷺ ایک خاص احترام کے حامل ہیں بلکہ بیزاری کے اظہار کا دائرہ چند محدود افراد تک ہے کہ جن کی تعداد ہاتھ کی انگلیوں سے زیادہ نہیں ہے.

۱۔ سقیفہ میں ہونے والی بد کلامی اور بعض افراد کی گالم گلوچ سے متعلق مزید جاننے کے لیئے ان حوالہ جات کی طرف رجوع کریں: طبری، ج ۳، ص ۲۰۱۔ تاریخ ابن کثیر، سن ۱۱ھ کے حوادث، ج ۵ ص ۲۶۳۔ تاریخ ابوالفداء، سن ۱۱ھ کے حوادث، ج ۱، س ۱۵۶۔ امواھب الدنیۃ، ج، ص ۵۴۴، ۵۴۶ اور...

جس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے وہ **"ولیّ"** سے متعلق ہے کہ جس کے بارے یہاں گفتگو کا محل نہیں ہے لیکن کیا جن لوگوں نے پیغمبر اکرم ﷺ کو اذیت پہنچانے کا موقع فراہم کیا (حتیٰ کہ ازواج پیغمبر ﷺ نے بھی اس گروہ کی ان حرکات پر اعتراض کیا) اولیائے خدا میں سے ہیں اور اس حدیث کے شامل حال ہیں؟

۳. حضرت فاطمہؑ کو وراثت سے محروم کرنا

اختلاف اور گروہ بندی اس وقت شروع ہوئی جب نبی کریم ﷺ کی واحد نشانی حضرت فاطمہ علیہاالسلام کو ان کے مسلّم حق سے محروم کر دیا گیا. ایسی محرومیت کا کسی قوم میں بھی سابقہ نہیں ہے اور وہ محرومیت ایک بیٹی کی اپنے والد کی وراثت سے محرومیت تھی! گویا کہ تمام اولادوں کو اپنے والدین سے وراثت لینے حق ہے سوائے نبی کریم ﷺ کی بیٹی کے کہ وہ اپنے اس قانونی حق سے محروم رہیں!

بخاری اپنی کتاب "مغازی میں عائشہ سے یوں نقل کرتے ہیں:

" فاطمہؑ، دختر رسول ﷺ، نے کسی کو ابو بکر کے پاس بھیجا تا کہ وہ تین چیزوں کو واپس پلٹائے:

الف: رسول اکرم ﷺ سے ان کی وراثت

ب: فدک

ج: جو کچھ خیبر کے خمس سے باقی بچا تھا

ابو بکر نے جواب میں کہا:

پیغمبر اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا: لا نورث، ما ترکناہ صدقةٌ" "ہم وراثت نہیں چھوڑتے، جو کچھ ہم باقی چھوڑیں وہ صدقہ ہے" یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں کہ:

حضرت فاطمہؑ ابو بکر کے اس منفی موٴقف سے ناراض ہوئیں، اس سے بات تک نہ کی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں"[1] جس وقت حضرت فاطمہؑ اس دنیا سے رخصت ہوئیں تو ان کے شوہر حضرت علی علیہ السلام نے ان کو رات کے وقت دفن کیااور ابو بکر کو ان کی وفات کی خبر بھی نہ دی. جب تک حضرت فاطمہؑ زندہ رہیں حضرت علی علیہ السلام نے ابو بکر کی بیعت نہ کی.[2]

۴: خانۂ وحی کی ہتک حرمت

مہاجرین کے ایک گروہ نے حضرت زہرا علیہا السلام کے گھر میں پناہ لی اور حضرت علیؑ کی خلافت کا مطالبہ کیا. خلیفۂ وقت نے چاہا کہ اس اجتماع کو منتشر کرے اور ان سے زبردستی بیعت لے.

محدثین اور تاریخ دانوں نے حضرت زہراؑ کے گھر کی توہین کے سلسلے میں دو راستے اختیار کیے ہیں:

ایک گروہ نے خلیفہ وقت کے ہتک حرمت کے ارادے کو نقل کیا ہے اور اس ارادے کے عملی ہونے کا کوئی ذکر نہیں کیا جیسا کہ بلاذری نے "انساب الاشراف" میں اور طبری نے تاریخ میں لکھا ہے. لیکن دوسرے گروہ نے خلیفہ وقت کی دھمکی کے عملی ہونے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے.

جو کچھ موٴرخین کے ان دونوں گروہوں نے نقل کیا ہے وہ درج ذیل ہے:

۱۔ حدیث کا متن کچھ اسطرح ہے: " فوجدت فاطمة علی ابی بکر فی ذالک، فهجرته فلم تکلمه حتی توفیت" صحیح بخاری کے محقق نے "فوجدت" کے فعل کی "غضبت" تفسیر کی ہے۔ بنابرایں، حضرت فاطمہ علیہا السلام اس حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوئیں کہ خلیفۂ وقت سے ناراض تھیں۔ اسطرح بخاری " باب مناقب قرابة الرسول اللہ ﷺ ، حدیث ۳۷۱۴ میں نقل کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: فاطمة بضعة منی، فمن اغضبها، اغضبنی"۔

۲۔ صحیح بخاری، باب غزوہ خیبر، حدیث ۴۲۴۱

بلاذری کی روایت:

احمد بن یحییٰ، جابر بغدادی بلاذری (متوفی ۲۷۰ھ) مشہور مصنف اور تاریخ دان اپنی کتاب "انساب الاشراف" میں گزشتہ واقعے کو اس طرح نقل کرتے ہیں:

"انّ ابا بکر ارسل الی علی یرید البیعة فلم یبایع، فجاء عمر و معه فتیلةٌ، فتلقته فاطمة علی الباب. فقالت فاطمة: یا بن الخطاب، اتراک محرقاً علیّ بابی؟ قال: نعم، و ذالک اقوی فیما جاء به ابوک....."[1]

"ابوبکر نے کسی کو علیؑ کی طرف بھیجا کہ ان سے بیعت لے علیؑ نے اس کے ساتھ بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر عمر لکڑیوں کے ہمراہ گیا اور دروازے پر حضرت فاطمہؑ سے سامنا ہوا۔

حضرت فاطمہؑ نے فرمایا: اے ابن خطاب، کیا تم میرے گھر کو جلانا چاہتے ہو؟ عمر نے کہا: ہاں، یہ اس چیز کے لیئے بہترین کام ہے جو آپ کے والد لائے ہیں!

طبری اور اسکی تاریخ:

محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) اہل سنت کا مشہور تاریخ دان اور فقیہ اپنی تاریخ کی کتاب میں وحی کے گھرانے کی ہتک حرمت کے واقعے کو اس طرح بیان کرتا ہے:

"اتی عمر بن الخطاب منزل علی و فیه طلحة و الزبیر و رجال مین المهاجرین، فقال واللہ لاحرقنّ علیکم او لتخرجن الی البیعة، فخرج علیه الزبیر مسلتاً بالسیف فعثر فسقط السیف من یده، فوثبوا علیه فأخذوه"

"عمر بن خطاب علیؑ کے گھر آئے جبکہ طلحہ و زبیر اور مہاجرین کا ایک گروہ وہاں اکٹھے تھے. اس نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: خدا کی قسم میں گھر کو آگ لگا دوں گا یا پھر تم لوگ

۱۔ انساب الاشراف، ج۱، ص۵۸۶، ط دار معارف، قاہرہ

بیعت کے لیئے باہر آجاؤ! زبیر ہاتھ میں تلوار لیئے گھر سے باہر آئے اچانک ان کا پاؤں لڑکھڑایا اور تلوار ان ہاتھ سے زمین پر گر گئی. اس دوران دوسرے ان پر دوڑ پڑے اور ان کے ہاتھ سے تلوار لے لی."

ان دو مؤرخین نے صرف دھمکی کو نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے لیکن بعض نے اس دھمکی سے عملی ہونے کا بھی صراحت سے ذکر کیا ہے. نمونے کے طور پر، طبرانی اپنی "معجم" میں لکھتے ہیں: عبدالرحمان بن عوف ابوبکر کی زندگی کے اخری ایام میں ان کے پاس آئے. ابوبکر نے ان سے کہا: اے کاش میں نے تین کام نہ کیے ہوتے:

"فاما الثلاث الذی وددت انّی لم افعلهنّ، ... فوددت انّی لم اکن کشفت بیت فاطمة و ترکته"[۱]

"اور وہ تین چیزیں جن کی مجھے آرزو ہے کہ میں نے انجام نہ دی ہوتیں؛... اور ایک یہ ہے کہ کاش میں فاطمہ کے گھر کی ہتک حرمت نہ کرتا اور اس کام کو چھوڑ دیا ہوتا"

سنہری بات:

مترجم کتاب کے ایک حصے میں "سنہری بات" کے عنوان سے حضرت علی علیہ السلام سے دو باتیں نقل کرتا ہے:

۱. مجھے پتہ چلا ہے کہ بعض لوگ مجھے ابوبکر اور عمر سے برتر جانتے ہیں. جو بھی یہ دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے اور اس پر جھوٹ کی حدود جاری ہونی چاہیئے.

۲. میں کسی کو نہ دیکھوں کہ مجھے ابوبکر اور عمر پر برتری دے سوائے اس کے کہ میں اس پر جھوٹ کی حد جاری کروں!

۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ج۱، ص ۶۲، حدیث ۴۳۔ تحقیق حمدی عبدالمجید سلفی۔ والاموال، ص ۱۹۳۔ کامل مبرد، ج۱، ص۱۱۔ مروج الذھب، ج ۲، ص ۳۰۱۔ عقدالفرید، ج ۴، ص ۹۳۔ تاریخ دمشق، ج ۱۳، ص ۱۲۲۔ تاریخ الاسلام، ج ۳ ص ۱۱۷، لسان المیزان، ج ۴، ص ۱۸۸ اور...

میں مترجم کی توجہ مندرجہ ذیل نکات کی طرف دلانا چاہوں گا:[۱]

الف) یہ بات ابن حزم طاہری کی کتاب "المحلی" سے نقل کی گئی ہے جس کے بارے میں مشہور مفسر آلوسی کہتے ہیں: "االضّال المضلّ" "گمراہ اور گمراہ کرنے والا" اور "لسان المیزان "میں ابن حجر اسکے بارے میں کہتے ہیں: فتمالأفقهاء مصره و اجمعوا علیٰ تضليله..." اسکے زمانے کے دانشمندوں نے اسکے خلاف قیام کیا ہے اور اسکے گمراہ ہونے پر سب نے اتفاق کیا ہے"

کیا اس قسم کے فرد کی نقل شدہ بات سے دلیل لائی جا سکتی ہے؟

ب) ابن حزم وہ شخص ہے جو کہتا ہے:

"ان عبد الرحمٰن بن ملجم لم يقتل عليّا الا متاولا مجتهدا مقدرا انه على صواب و فی ذالك يقول عمران بن حطان شاعر الصفرية:

یا ضربة من تقی ما اراد بها الا لیبلغ عن ذی العرش رضوانا

"عبدالرّحمٰن بن ملجم نے علیؑ کو قتل نہیں کیا سوائے اس کے کہ اس نے اس مسئلے میں اجتہاد کیا اس ان کے قتل کرنے کو صحیح عمل جانا، جیسا کہ خوارج کے گروہ صفریہ کے شاعر عمران ابن حطان نے ابن ملجم کی تعریف میں اس طرح شعر کہا ہے:

اس پرہیز گار شخص کی یاد میں کہ جس کا مقصد سوائے عرش والے سے پاداش لینے کے کچھ نہ تھا..."

آیا یہ بات جناب مترجم کے شایان شان ہے کہ وہ اہلبیتؑ سے دوستی اور محبت کا دعویٰ کرنے سے ساتھ ایسے شخص پر اعتماد کریں جس کا باطن ناصبی ہے؟!

ج) جناب عالی شیخ صالح! جس کتاب کا آپ نے فارسی میں ترجمہ کروایا ہے اسی کتاب میں آپ نے کہا ہے کہ فلاں راویوں پر بغیر سند کو پرکھے کے اعتماد نہیں کیا جا سکتا.

۱۔ ابن حزم، المحلی، ج۱۱، ص۲۸۶

کیا آپ نے اس کتاب میں گذشتہ دو باتوں کی سند کو پرکھا ہے؟ کیا آپ کو پتہ ہے کہ بعض راوی مجہول اور ناشناختہ ہیں جبکہ بعض دیگر ناشناختہ ہونے کے ساتھ ناقابل اعتماد ہیں؟!

جیسا کہ حجاج بن دینار: اس کی بعض مؤرخین نے توثیق کی ہے، لیکن علم رجال کا معروف ماہر ابو حاتم لکھتاہے: "لایحتج "اس کی بات پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا"

شہاب بن حراش: ابن حبان اس کے بارے میں کہتے ہیں: اسکی بے شمار غلطیوں کی وجہ سے اس کی بات پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا.

ابو معشر: نسائی، دار قطنی اور ابن المدنی اس کو غیر معتبر سمجھتے ہیں. بخاری کا کہنا ہے: وہ منکر الحدیث ہے.[1]

آیا یہ بات شایان شان ہے کہ بعض راویان کی بے بنیاد اور بے اعتبار بات کو "سنہری بات" کہا جائے؟!

۲. ایک مشترک نکتہ

کتاب کے مصنف ایک باب کو تمہید کے عنوان سے بنام "ایک مشترک نکتہ" لائے ہیں اور اس میں پیغمبر اکرم ﷺ کی تجلیل کی گئی ہے جس کے بارے میں کو بحث نہیں ہے. لیکن یہ تجلیل ان دو باتوں کے مقدمے کے طور پر کی گئی ہے جو انہوں نے دو عظیم شیعہ علماء سے نقل کی ہیں۔

ایک مرحوم کلینیؒ "کافی"[2] میں اور دوسرے علامہ مجلسیؒ "بحار"[3] میں۔

ان (مصنف) کا کہنا ہے کہ ان دو عالمانِ دینی نے اپنی مذکورہ کتابوں میں دعویٰ کیا ہے کہ شیعوں کے امام علم اور دانش میں (نعوذ باللہ) پیغمبر اکرم ﷺ سے برتر ہیں.

۱۔ میزان الاعتدال، ج۱، ص۴۶۱، اور ج۲، ص۲۸۱ اور ج۴، ص۲۴۶

۲۔ کافی، ج۱، ص۲۲۷

۳۔ بحار، ج۲، ص۸۲

تجزیہ:

سبحان اللہ! میں نے یہ ہرگز نہ سوچا تھا کہ ہمارے اہل قلم دوست اس قسم کی لغزش کا شکار ہوں گے! اب ہم ان دونوں کتابوں پر نظر ڈالتے ہیں:

۱. کافی:

مرحوم کلینیؒ اس عنوان سے ایک پورا باب لے کر آئے ہیں:
"انّ الائمۃ علیہم السلام عندھم جمیع الکتب التی نزلت من عند اللہ وانّھم یعرفونھا علی اختلاف السنتھا"[۱]
"بیشک جتنی بھی کتابیں خداوند کی جانب سے نازل ہوئی ہیں، آئمہ کے پاس ہیں اور ان (کتابوں) کو، جس زبان میں وہ نازل ہوئی ہیں، اسی زبان میں جانتے ہیں"
پھر وہ امام موسیٰ بن جعفرؑ اور دیگر آئمہؑ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ انجیل اور تورات سے واقف تھے.

ان باتوں کے شروع سے لے کر آخر تک اماموں کے علم کی نبی کریم سے برابری کا چھوٹا سا اشارہ بھی نہیں ملتا چہ جائیکہ (نعوذ باللہ) اماموں کی آنحضرتؐ پر برتری کی بات کی گئی ہو کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ نبی کریمؐ بھی ان تمام کتابوں سے آگاہ تھے اور خدا نے ان کو آگاہ کیا تھا. آئمہؑ کا (آسمانی کتابوں سے) آگاہ ہونا، نبی کریمؐ کی ناآگاہی کی دلیل نہیں ہے اور تمام آئمہؑ کا علم نبی کریمؐ کے علم کے سائے میں ہے. انہوں نے کئی بار صراحت کے ساتھ کہا کہ ہم اسی چیز کو بیان کرتے ہیں جو سنت نبیؐ میں آئی ہے. حتیٰ کہ پہلی روایت میں امام موسیٰ بن جعفرؑ واضح طور پر فرماتے ہیں کہ ان کتابوں سے ہماری آگاہی اس وجہ

۱۔ کافی، ج۱، ص۲۲۷

سے ہے کہ ہم پیغمبر اکرمؐ کی ذریت میں سے ہیں، یہ علوم ہمارے اجداد اور پیغمبر اکرمؐ کی ذات سے ورثے میں ملے ہیں.

۲. بحار الانوار

علامہ مجلسیؒ بحار الانوار میں اسی صفحے پر جس کی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے، ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ اصول اور فروع میں آئمہ اہلبیت علیہم السلام کی طرف رجوع کرنا چاہیئے. علامہ مجلسی نقل کرتے ہیں ہیں کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"اعرفوا منازل شیعتنا بقدر ما یحسنون من روایاتھم عنّا"[1]

"ہمارے شیعوں کو ان روایات کی مقدار کے ذریعے پہچانو جو انہوں نے ہم سے سیکھی ہیں" (یعنی جس قدر انہوں زیادہ روایات یاد کیں اسی قدر ان کا مقام بھی بلند ہوگا)

اس صفحے اور اس سے پچھلے اور آگے والے صفحوں میں نبی کریمؐ اور آئمہؑ کے علم کا کوئی ذکر نہیں ہے چہ جائیکہ ان کے علم کی برابری کی بات ہو. بحار میں مذکورہ احادیث کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ آئمہ اہلبیتؑ نے اسی بات پر زور دیا ہے کہ عقائد اور احکام کو دوسروں کے بجائے ہم سے سیکھیں! کیونکہ ہمارا علم پیغمبر اکرمؐ سے ہی مأخوذ ہے، جبکہ بعض لوگوں نے کتابِ خدا اور سنتِ رسولؐ کے ساتھ خیانت کی ہے. یہ بات کہاں اور آئمہؑ کے علم کا نبی کریم سے مقابلہ کہاں، اور پھر پہلے کی دوسرے پر برتری کہاں؟ یہاں پر مصنف کے لڑکھڑانے کی وجہ یہ ہے جناب شیخ صالح نے صرف جلدی فیصلے کرنے کے سبب حوالہ جات کی طرف رجوع نہیں کیا اور اس سلسلے میں فقط شیعہ دشمن افراد کی بے وقعت تحریروں پر بھروسہ کیا ہے.

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۲۷، ص ۱۴۹

علم آئمہ کے بارے میں علمائے شیعہ علماء کا عقیدہ:

شیخ مفید آئمہ علیہم السلام کی باقی انبیاء علیہم السلام پر برتری سے متعلق شیعہ علماء کے عقیدے کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

۱. ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ آئمہؑ سوائے نبی کریمؐ کے تمام انبیاء سے برتر ہیں.

۲. دوسرا گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ہمارے آئمہؑ سوائے اولوا العزم نبیوں کے، تمام انبیاءؑ سے برتر ہیں.

۳. تیسرے گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاءؑ ہمارے آئمہؑ پر برتری رکھتے ہیں.

پھر وہ (شیخ مفید) خود کہتے ہیں: میں اس مسئلے میں متوقف (رکا ہوا) ہوں.[1]

کیا بغیر آگاہی کے، شیعوں سے اس جھوٹ کی نسبت دینا جائز ہے؟!

خدا کے پاک ترین بندے سے اظہار بیزاری:

امیر المؤمنین علیؑ نبی کریمؐ کے بعد تمام انسانوں میں سے پاک ترین ہیں. اس بات کی گواہی یہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ انکو اپنی جان کہا، ان کو میدان مباہلہ میں لے گئے اور آیت مباہلہ میں لفظ "انفسنا" اس بات کا شاہد ہے. اسطرح کا انسان جب مہاجرین اور انصار کی طرف سے قیادت اور رہبری کے چنا گیاتو معاویہ کو یہ بات سخت ناگوار گزری اور مسند خلافت پر قبضہ جمانے کے لیئے طلحہ و زبیر کے اکسانے پر جنگ جمل اور پھر جنگ صفیّن ہوئی یہاں تک معاویہ نے اس پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے ایک فرمان تحت حکم جاری کیا کہ حضرت علیؑ جیسی بلند شخصیت پر علی الاعلان جمعے کے خطبوں میں لعن طعن کی جائے.

۱۔ اوائل المقالات، ص ۴۳ اور ۴۲

مسلم اپنی صحیح میں لکھتے ہیں: معاویہ نے سعد بن وقاص سے حضرت علیؑ کے بارے میں گفتگو کی اور اس بات تعجب کیا کہ سعد، حضرت علیؑ پر لعنت نہیں کرتے. سعد نے جواب میں کہا: علیؑ بن ابی طالبؑ میں تین ایسی صفات ہیں جو اگر مجھ میں ہوتیں تو میں ان میں سے ایک کو بھی سرخ بالوں والے اونٹوں بدلے نہ دوں:

۱. نبی کریم ﷺ نے تبوک کی جانب کوچ کے وقت فرمایا: یا علیؑ! کیا آپ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ آپ کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو ھارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی اور پیغمبر نہیں آئے گا؟

۲. خیبر والے دن جب مایوسی کے بادل چھا چکے تھے اور تمام سپہ سالار ایک ایک کرکے شکست خوردہ واپس آرہے تھے، پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: کل میں یہ پرچم اس کے ہاتھ میں دوں گا جس سے خدا اور رسولؐ محبت کرتے ہیں اور وہ بھی خدا اور رسولؐ سے محبت کرتا ہے. میدان سے اس وقت تک واپس نہیں آئے گا جب تک خیبر کے قلعے کو فتح نہ کرلے. ہر کوئی اس امید میں تھا کہ پیغمبر اکرمؐ پرچم کو اس کے ہاتھ میں دیں گے. اچانک پیغمبر اکرمؐ نے علیؑ کو بلایا، ان آنکھوں کو اپنی کرامت سے شفا دی، انھوں نے پرچم اپنے ہاتھ میں لیا اور خیبر کو فتح کیا.

۳. علیؑ مباہلہ والے دن پیغمبر اکرم ﷺ کے ہمراہ میدان مباہلہ میں گئے.

جناب معاویہ! میں ان تین فضیلتوں کے ساتھ کیسے علی علیہ السلام پر لعن کروں؟![1]

۱۔ روایت کا متن: قال امر معاویة بن ابی سفیان سعدا فقال ما منعك ان تسب ابا التراب فقال امّا ما ذکرت ثلاثا قالھن له رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فلن اسبه لان تکون لی واحدة منهنّ احبّ الیّ من حمر النعم سمعت رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم یقول له خلّفه فی بعض مغازه فقال له علیؑ یا رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم خلّفتنی مع النساء و الصبیان فقال له رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انّه لا نبوّة بعدی و سمعته یقول یوم خیبر لاعطیّن الرّایة رجلاً یحبّ الله و رسوله و یحبه الله و رسوله قال فتطاولنا لها فقال ادعوا الی علیّا فأتی به ارمد فبصق فی عینه و دفع الرّایة الیه ففتح الله علیه و لمّا نزلت هذه الآیة فقل تعالوا ندع ابنائنا و ابنائکم دعا رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم علیّا و فاطمة و حسنا و حسینا فقال اللّٰهم هؤلاء اهلی"

کیا ایسا شخص جو خدا کے ولیؑ کا اس حد تک دشمن ہو کہ نماز جمعہ میں اس پر برسر منبر لعنت بھیجنا عبادت سمجھتا ہو، الٰہی شخص ہو سکتا ہے؟ افسوسناک بات ہے کہ آپ لوگ نماز جمعہ کے خطبے میں اس شخص کو "سیدنا معاویہ" کہہ کر یاد کرتے ہیں.

میں یہاں اختلاف کی اصل وجوہات سے متعلق بات کو مختصر کروں گا کیونکہ یہ اسباب اس سے کہیں زیادہ ہیں. اب ہم کتاب کے دوسرے ابواب کا تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہیں.

۳. فضائل اہلبیت علیہم السلام

محترم مصنف جناب شیخ صالح اس عنوان کے ذیل میں اسطرح لکھتے ہیں:

جی ہاں اہلبیتؑ کی منزلت بہت بلند و بالا اور ان کے فضائل بے شمار ہیں. بہت ساری آیات و روایات تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہیں جیسا کہ انہوں نے آنحضرتؐ کو دیکھا اور ان کے ساتھ ہم نشین ہوئے یا یہ کہ (ان کو نہیں دیکھا، اور ایمان و تقوا کی شرط کے ساتھ) اس پاک ذریت میں سے تھے.

اہلبیتؑ کی فضیلت دو طرح سے ہے:

۱. ایسے فضائل جو فقط اہلبیت علیہم السلام سے مخصوص ہیں.

۲. ایسے فضائل جو تمام صحابہ کے بارے میں ذکر ہوئے ہیں.

قطعی طور پر وہ اہلبیتؑ جنہوں نے رسول اللہؐ کی صحبت کا افتخار حاصل کیا، ان فضائل کے سب سے پہلے حقدار ہیں.

پھر مصنف صحابہ کے درجات کے بارے میں لکھتے ہیں: ان کے درجات مختلف ہیں. بعض مہاجر اور بعض انصار ہیں، بعض فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے اور بعض اسکے بعد، لیکن

خداوند کی طرف سے ان سب سے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے. پھر اس آیت کے ذریعے ان کی عظمت پر دلیل لے کر آتے ہیں:

"وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَداً ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ"[1]

"مہاجرین اور انصار میں سے پہلے آگے بڑھنے والے، اور وہ لوگ جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، خدا ان سے راضی ہوا اور وہ بھی خدا سے راضی ہوئے، اور ان کے لیئے باغ آمادہ کیے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں. وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور یہ ہے عظیم کامیابی"

تجزیہ:

یہاں کچھ نکات قابل ذکر ہیں:

اس عبارت سے یہ معنی نکلتا ہے کہ وہ لفظ "اہلبیت" کے وسیع معنی کے قائل ہیں. گویا کہ (ایمان اور تقوا کی شرط کے ساتھ) رسول خداﷺ کی تمام ذریّت اس معنی کے زمرے میں آتی ہے. پس اس کے نتیجے میں تمام سادات اہلبیت کا حصہ ہیں.

اگرچہ حضرت زہرا علیہا السلام کی تمام اولاد، وحی کے خاندان سے منسوب ہونے کی وجہ سے، خاص احترام کے لائق ہیں لیکن اس میں کوئی تردید نہیں کہ "اِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذهِبَ عَنكُمُ الرِّجسَ اَهلَ البَيتِ وَيُطَهِّرَكُم تَطهِيراً" "خداوند فقط یہ چاہتا ہے کہ تم اہلبیت سے ہر قسم کا گناہ اور پلیدی دور کردے اور تمہیں اسطرح پاک کردے جس

۱۔ توبہ: ۱۰۰

طرح پاک کرنے کا حق ہے" والی آیت میں لفظ "اہل بیت" سے مراد وہ خاص گروہ ہے جس کو رسول گرامی ﷺ نے خاص طریقے سے متعارف کروایا اور اس گروہ میں ہر گز رسول خدا ﷺ کی ازواج یا تمام ذریّت شامل نہیں.

تسلسل کے ساتھ نقل شدہ متعدد روایات سے یہ بات ظاہرہ ہوتی ہے کہ اس آیت میں سوائے نبی کریم ﷺ اور حضرت فاطمہ علیہا السلام کے گھرانے کے کوئی دوسرا شامل نہیں ہے. اس روایت کو صحابہ کے ایک گروہ نے پیغمبر اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے جن میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:

۱. ابو سعید خذری ۲. انس بن مالک ۳. ابو اسحاق ۴. وائلۃ بن اسقع ۵. ابوھریرۃ ۶. ابوالحمراء ۷. سعد بن ابی وقاص ۸. عائشہ ۹. ام سلمہ ۱۰. ابن عباس

ان احادیث کا خلاصہ یہ بنتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہلبیتؑ کی شناخت کروانے کے لیئے دو اہم کام انجام دیئے اور دونوں کام اپنی جگہ قابل توجہ ہیں:

۱. کساء اور عبا یا ایک کپڑے کا ٹکڑا پنجتنؑ کے اوپر ڈالا اور امّ سلمہ، جو اس کساء کے نیچے آنے کے خواہش مند تھیں، کو اس کام سے منع کر دیا اور یہ جملہ فرمایا: خدایا! یہ میرے اہلبیتؑ ہیں. اے پروردگا! پلیدی کو ان سے دور کر دے!"

۲. آنخضرت ﷺ تقریباً آٹھ مہینے یا اس سے زیادہ، مسجد جاتے ہوئے، خانۂ زہراؑ پر جاتے، ان کو نماز کے لیئے بلاتے اور مذکورہ آیت کی تلاوت فرماتے تھے.

بنابرایں، ان دو اعمال کے ذریعے، پیغمبر اکرم ﷺ نے اس آیت کے مصداق کو واضح طور پر معین کر دیا. اب ہم مختصر طور پر بعض احادیث اور ان کے ترجمے کو بیان کرتے ہیں:

۱. ابو سعید خذری کہتے ہیں:

قال رسول اللہ ﷺ: "نزّلت ھٰذہ الآیۃ فیّ و فی علیّ و فاطمۃ و حسن و حسین"

رسول اللہؐ نے فرمایا: "یہ آیت میرے، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے بارے میں نازل ہوئی"۔

۲. ام سلمہ کہتی ہیں: یہ آیت میرے گھر میں نازل ہوئی. اس دن حضرت زہراؑ، حضور ﷺ کے لیئے غذا لے کر آئیں. پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: جاؤ اپنے چچازاد علیؑ اور بیٹوں کو لے کر آؤ. حضرت زہرا دونوں بیٹوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے گھر میں داخل ہوئیں جبکہ علیؑ ان کے پیچھے چل رہے تھے.

پیغمبر اکرم ﷺ نے حسنینؑ کو اپنی آغوش میں لیا، علیؑ آنحضرت ﷺ کے دائیں طرف اور آپؐ کی دختر گرامی بائیں طرف بیٹھ گئیں. پانچوں افراد غذا کھانے میں مشغول ہوگئے جو حضرت زہراؑ آنحضرتؐ کے لیئے لائی تھیں. اس موقع پر فرشتۂ وحی آیت تطہیر کو لے کر نازل ہوا. پیغمبر اکرم ﷺ نے اس دوران ایک چادر (کساء)، جسے عام طور رات کے وقت اوڑھتے تھے، اٹھائی اور سب کو چادر کے نیچے اکٹھا کیا. پھر اپنا ہاتھ چادر سے باہر نکال کر آسمان کی طرف بلند کیا اور تین بار فرمایا:

"اللّھم انّ ھٰؤلاء اھل بیتی وخاصّتی فاذھب عنھم الرجس وطھّرھم تطھیراً"

میں نے یہ جملہ سننے کے بعد چاہا کہ چادر کے نیچے جاؤں اور اس فضیلت کی اہل قرار پاؤں. جب میں نے چادر کا ایک کونہ اٹھایا تاکہ ان کے ساتھ شامل ہو جاؤں تو پیغمبر اکرمؐ نے میرے ہاتھ سے کھینچ لیا. میں نے کہا: اے رسول خدا! کیا میں آپؐ کے اہلبیت میں سے نہیں ہوں؟!

رسول خدا ﷺ نے (بغیر اس بات کی تصدیق کے) فرمایا:

"انّکِ علی خیر انّکِ من ازواج النبیّ"[۱]

"بیشک آپ نیکی پر ہیں اور ازواج نبیؐ میں سے ہیں"

۱۔ تفسیر طبری، ج۲۲، ص ۲تا۷؛ تفسیر الدر المنثور، ج۵، ص۱۹۸تا۱۹۹

لہٰذا اہلبیتؑ جن کا مفہوم خود پیغمبر اکرم ﷺ نے محدود کیا ہے کی وسیع معنی میں تفسیر نہیں کرنی چاہیئے. بنابرایں ان پانچ ہستیوں کے علاوہ اہلبیت کے لفظ کا اطلاق مکمل طور پر بے محل ہے.

صحابہ کے مقام پر دلائل کا جائزہ:

حیرانی کی بات یہ ہے کہ مصنف نے اس باب کا عنوان "فضائل اہلبیتؑ" رکھا ہے لیکن افسوس ہے کہ اس میں ایک روایت بھی ان کی شان میں نقل نہیں کی. اس کے مقابلے میں، اسی باب میں، تمام صحابہ کے کی شان میں درج ذیل آیت سے دلیل پیش کی ہے:

"وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَداً ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ"[1]

ان کے خیال میں یہ آیت تمام صحابہ کی شان میں نازل ہوئی ہے، ان سب کو جنت کی بشارت دی گئی ہے اور وہ سب خداوند کی خواشنودی کے اہل قرار پائے ہیں البتہ درجات کے فرق کے ساتھ.

مصنف نے چاہا ہے کہ آیت "وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ..." کو تمام صحابہ کی طہارت و پاکی اور ان کے بہشتی ہونے پر دلیل کے طور پر پیش کریں جبکہ یہ آیت ہر گز ان کے اس دعوے کو ثابت نہیں کرتی چاہے تمام صحابہ بہشتی ہوں یا نہ ہوں کیونکہ؛

۱. یہ آیت تمام مہاجرین اور انصار کی تعریف نہیں کر رہی بلکہ ان میں سے ایک گروہ "وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ" کی ستائش کی جارہی ہے. یہ بھی واضح ہے کہ "من المهاجرين" میں

۱۔ توبہ: ۱۰۰

"من" "تبعیضیة" (بعض افراد) ہے. پس آیت کا معنیٰ یہ ہے: "مہاجرین اور انصار میں سے سبقت لے جانے والے" نہ یہ کہ تمام مہاجرین اور انصار. لہٰذا سبقت لینے والوں کو بہشت کی بشارت دی گئی ہے نہ کہ سب کو

۲. آیت کا اگلا جملہ ان لوگوں کو بہشت کی بشارت دے رہا ہے جو نیکی میں ان کی پیروی کریں نہ کہ بطور کل پیروی کریں جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:" وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ" اب اگر دلیل کے ذریعے قطعی طور پر ثابت ہو جائے کہ دوسرے گروہ میں سے بعض افراد نے سبقت لینے والوں کی نیکی میں پیروی نہیں کی تو ہرگز یہ آیت اس چیز سے نہیں ٹکرائے گی.

ہم یہ نتیجہ حاصل کرتے ہیں کہ دو گروہوں کو بہشت کی بشارت دی گئی ہے:

الف) مہاجرین اور انصار میں سے وہ جو سبقت لے جانے والے ہیں نہ کہ تمام مہاجرین اور انصار.

ب) وہ گروہ جو نیکی میں ان کی پیروی کرے.

لیکن وہ گروہ جس نے پیروی میں نیکی کا راستہ اختیار نہیں کیا، یہ آیت ان کو بشارت نہیں دے رہی. یہ کیسے ممکن ہے کہ نازل کرنے والا اس آیت کے ذریعے سب کو بہشت میں داخل ہونے کا اجازت نامہ دے دے؟

اب ہم ان آیات کا ذکر کرتے ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ دوسرے گروہ میں سے بعض افراد نے "السَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ" کی نیکی میں پیروی نہیں کی.

۱. خداوند نے ولید بن عقبہ کو فاسق کہا اور فرمایا:"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا"[۱] "جب بھی کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لے کر آئے تو اس کے بارے میں تحقیق کر لو" مفسرین کے ایک گروہ کا یہ کہنا ہے کہ اس فاسق سے مراد، ولید ہے.

۱۔ حجرات:۶

۲. رسول خداﷺ نماز جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے کی اچانک شام سے ایک تجارتی قافلہ مدینہ میں داخل ہوا اور اس کے آنے کی اطلاع طبل بجا کر دی گئی. جیسے ہی طبل بجا اکثر خطبہ سننے والے افراد اٹھ کھڑے ہوئے اور وہان سے چلے گئے. مندرجہ ذیل آیت اسی بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے: "وَإِذا رَأَوْا تِجارَةً أَوْ لَهْواً انْفَضُّوا إِلَيْها وَ تَرَكُوكَ قائِماً قُلْ ما عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجارَةِ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ"[۱]

"اور انہوں نے کوئی بکتی ہوئی چیز یا کھیل تماشا دیکھا تو منتشر ہوگئے اور اس کی طرف دوڑ پڑے اور آپؐ کو کھڑا ہوا چھوڑ گئے. (اے پیغمبرؐ) کہہ دو جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ اس کھیل تماشے اور تجارت سے بہتر ہے اور خدا بہترین رزق دینے والا ہے"

بخاری [۲] اور مسلم [۳] اپنی صحیح میں نقل کرتے ہیں کہ نبی کریمﷺ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ (دحیۃ بن خلیفہ) کا قافلہ طبل کی آواز کے ساتھ شام سے تجارتی مال لے کر مدینہ پہنچا. نمازیوں کی اکثریت وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی اور صرف بارہ افراد رہ گئے.

کیا ایسا گروہ جو نبی کریمؐ کے ساتھ اس طرح کی بے حرمتی روا رکھے وہ "وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسانٍ" کا مصداق بن سکتے ہیں؟

۳. صحابہ میں سے ایک فرد نے جنگ بدر والے دن خیانت کی اور درج ذیل آیت اسکے بارے میں نازل ہوئی:

"وَما كانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِما غَلَّ يَوْمَ الْقِيامَةِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ ما كَسَبَتْ وَهُمْ لا يُظْلَمُونَ"[۴]

۱۔ جمعہ: ۱۱
۲۔ صحیح بخاری، ج۱، ص۳۱۶، کتاب الجمعۃ
۳۔ صحیح مسلم، ج۲، ص۵۹۰، کتاب الجمعۃ
۴۔ آل عمران: ۱۶۱

"یہ ممکن نہیں کہ کوئی پیغمبر خیانت کرے، اور جو بھی خیانت کرے وہ قیامت والے وہی چیز لے محشور ہو گا جس میں اس نے خیانت کی، پھر ہر کسی کو وہی کچھ دیا جائے گا جو اس نے انجام دیا اور ان پر ہر گز ظلم نہ کیا جائے گا"

بعض لوگوں نے اس موقع پر کہا کہ تولیہ (نعوذ باللہ) پیغمبر اکرم ﷺ نے اٹھالیا ہے. خداوند نے اس بارے میں مذکورہ آیت نازل فرمائی اور نبی کریم ﷺ خیانت جیسے کام سے منزہ و پاک قرار دیا. بعد میں پتہ چلا کہ آپؐ کے بعض یاران نے وہ تولیہ عناد اور دشمنی کی وجہ سے اٹھایا ہے.[۱]

یہ آیت اس گروہ کی نبی کریمؐ کی نسبت ایمانی کمی اور ادب کی نشاندہی کرتی ہے یہاں تک کہ نعوذ باللہ آپؐ پر خیانت کی تہمت لگاتے ہیں. پھر پتہ چلتا ہے کہ انہی بدر والوں میں سے کچھ جو " السَّابِقُونَ الأَوَّلُونَ" میں شمار کیے جاتے ہیں، اپنی زندگیوں میں انحرافات کا شکار ہوئے.

آخر میں یہ یاد دہانی ضروری ہے کسی بھی گروہ کی ہر تعریف کا یہ مطلب اس زندگی میں سبز چراغ دکھانے کے مترادف نہیں کہ جو بھی اس کا دل چاہے کرے بلکہ یہ ایک وعدہ ہے اور اس کی کچھ شرائط ہیں. ممکن ہے کہ کچھ نامناسب اعمال کی وجہ سے اس وعدے کا اثر ختم ہو جائے. وعدہ اس صورت میں عملی ہوتا ہے جب کوئی شخص اپنی زندگی پاک اور پاکیزہ زندگی گزارے اور اگر آخری عمر میں کسی نافرمانی کا شکار نہ ہو جائے یہ اس آیت کا مصداق بھی قرار نہیں پائے گا.

کئی دفعہ ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جن شروع میں تو آیات الٰہی عطا ہوئیں لیکن آخر میں شیطان کے پیروکار بن گئے جیسا کہ خداوند فرماتا ہے:

۱۔ تفسیر ابن کثیر (ج۱، ص۴۲۱) میں لکھتے ہیں: وقد غل بعض اصحابہ

"وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ"[۱]

"(اے رسولؐ) ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنادو جسے ہم نے اپنی آیتیں عطا کیں پھر وہ ان سے نکل بھاگا تو شیطان نے اس کا پیچھا کیا یہاں تک کہ وہ گمراہ ہو گیا"

خدا بھی اس گروہ جس سے بہشت کا وعدہ کیا گیا، خبردار کرتا ہے کہ پیغمبر خداؐ کی توہین اعمال کے ضائع ہونے کا سبب ہے.

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ"[۲]

"اے ایمان والو! اپنی آواز کو نبیؐ کی آواز سے اونچا نہ کرو اور ان کے سامنے اس طرح اونچی آواز میں بات نہ کرو جس طرح تم میں کچھ آپس میں اونچی آواز سے پکارتے ہو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو".

بنابرایں اسلام میں سبقت لے جانے والے (السابقون الاولون) یا ان کے بعد آنے والوں میں سے کوئی پیغمبر اکرمؐ کی شان میں گستاخی کرے، اس کے پچھلے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور وعدۂ الٰہی بھی اس برے عمل کی وجہ سے منسوخ ہو جائے گا.

نبی کریمؐ نے کیا ہی خوب ارشاد فرمایا ہے:

"وانّما الاعمال بالخواتيم"[۳]

"اعمال کی قدر و قیمت کا دار و مدار ان کاموں کے انجام (عاقبت) پر ہوتا ہے". یعنی انسان کو زندگی کے کسی حصے میں بھی اپنے نیک اعمال پر غرور نہیں کرنا چاہیئے بلکہ آخری عمر تک طہارت اور پاکیزگی کو قائم چاہیئے۔

۱۔ اعراف: ۱۷۵

۲۔ حجرات: ۲

۳۔ صحیح بخاری، ض ۴، ص ۲۳۳، کتاب القدر، باب ۵، حدیث ٦٦٠٧

۴. وحدت کا پیام

جناب شیخ صالح "پیام وحدت" کے عنوان سے کچھ نکات بیان کرتے ہوئے امت اسلامی کے انتشار اور گروہ بندی پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں اور اس اختلاف کو امت کے لیئے ایک جان لیوا کینسر کی مانند سمجھتے دیتے ہیں. پھر کہتے ہیں: ہمیں سابقہ لوگوں سے درس حاصل کرنا چاہیئے. پیغمبر اکرم ﷺ کے اہلبیت علیہم السلام دوسرے صحابہ کے ساتھ، ان کے درمیان جنگوں کے باوجود، رحیم اور مہربان تھے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو ناقابل انکار ہے.

پھر "پیام وحدت" کے عنوان سے ایسے افراد پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں جو اپنے قیمتی وقت کو تاریخی مسائل میں صرف کرتے ہیں اور مصنف مزید کہتے ہیں: اس کام کا نتیجہ سوائے اختلافی مسائل کو پھیلانے اور مسلمانوں میں دشمنی کو گہرا سے گہرا کرنے کے کچھ نہیں.

تجزیہ:

جو کچھ محترم مصنف نے پہلے حصے میں بیان کیا ہے وہ نہایت اہم ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس اختلاف سے صرف اسلام کے دشمنوں کو ہی فائدہ پہنچا ہے لیکن دیکھنا یہ ہے اختلاف کن لوگوں کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے؟

یہ جناب سعودی عرب میں رہتے ہیں اور سرکاری عہدے دار بھی ہیں. کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے ملک میں ہر ماہ شیعہ عقائد کے خلاف کتنے مضامیں لکھے اور حرمین شریفین میں تقسیم کیے جاتے ہیں اور ان کے اخراجات سعودی گورنمنٹ کے افراد ادا

کرتے ہیں؟ گزشتہ کچھ عرصے سے سعودی عرب کی یونیورسٹیوں میں لکھے جانے والے مقالات میں سے اکثر کا موضوع شیعہ عقائد کا ردّ ہے. کاش یہ لوگ شیعہ عقائد کے ردّ میں علمی اصولوں کا خیال رکھتے اور قلم اٹھانے سے پہلے ان سوالوں کے جوابات کا مطالعہ کر لیتے جو اعتراضات کے جواب کے طور پر دیئے گئے ہیں.

جس ملک میں آپ رہتے ہیں وہیں پر یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے اپنے مقالے کا عنوان شیعہ عقائد کو بنایا اور اس مقالے کو تین حصوں میں چھپوایا. مقالے کا اکثر حصہ اس گروہ (شیعہ) کو برا بھلا کہنے پر مشتمل ہے. اس قدر اہل تشیع سے جھوٹ کی نسبت دی گئی ہے کہ پڑھنے والا حیرانگی سے دوچار ہو جاتا ہے. مثلاً وہ کہتا ہے: خمینی نے اپنا نام اذان میں شامل کر دیا ہے اور اس وقت اس کا نام اذان کا حصہ ہے"[1]

اس بات کا بے بنیاد ہونا اسی طرح آشکار ہے جیسے کہا جائے: حسن اور حسین، معاویہ کی بیٹیاں ہیں!

بہتر ہے کہ آپ ہمیں نصیحت کرنے کے بجائے اس قسم کی افراد کو وعظ فرمائیں. شیعہ تو اپنا دفاع کر رہے ہیں لہٰذا حملے کے وقت دفاع کرنے پر مجبور ہیں.

مزید برآں کیا آپ واقعاً یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اہلبیتؑ کی صحابہ سے جنگ تھی اور اسکے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ مہربان اور رحیم تھے؟ آیا یہ دو جملے آپس میں متناقض نہیں ہیں؟ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک گروہ اپنے مد مقابل گروہ کا خون بہائے اور عین اسی وقت آپس میں مہربان اور رحیم بھی ہوں؟

یہ جو آپ فرماتے ہیں، کہ تاریخ نگاری اور پچھلے واقعات کو دہرانے کا نتیجہ صرف اور صرف اختلافات کو عمیق کرنا ہے، قابل بحث ہے. تاریخ نگاری دو قسم کی ہوتی ہے:

۱۔ ناصر بن علی بن القفاری، عقائد الشیعہ الاثناء عشریۃ، عرض و نقد، ج ۳، ص ۱۱۵۴

۱. مصنف قلم کی عفت اور اصولوں کا لحاظ رکھ کر گزشتہ تاریخ کو پیش کرتا ہے اور بغیر پہلے سے فیصلہ کیئے ، نتیجے تک پہنچتا ہے. یہی وہ راستہ ہے جس کی طرف عقل و خرد نے دعوت دی ہے اور قرآن نے اسکی تائید کی ہے کیونکہ قرآن نے ہمیشہ یہی حکم دیا ہے کہ گزرے ہوئے لوگوں کی زندگی میں غور وفکر کریں. اگر واقعاً گزشتہ واقعات کا جائزہ ،گناہ اور ناقابل معافی جرم ہے ، تو پھر تمام تاریخی کتابوں کو ختم اور ان کی تدریس کو ممنوع کر دیں.

۲. ایسا فرد جو پہلے سے (غلط اور صحیح ہونے کا) فیصلہ دے چکا ہو اور بغیر عفت قلم اور اصولوں کو ملحوظ رکھے دوسرے گروہ کے جذبات کو مجروح کرے اور بلاخوف ان پر چڑھائی کردے تو مسلّم طور پر یہ تاریخ نگاری عقل و خرد کے خلاف ہے اور نہ ہی اسے عملی معاشرہ قبول کرتا ہے.

ہمیں گزرے ہوئے لوگوں کی تاریخ پر غور کرنے سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہیئے. اگر ہمارے گزرے ہوئے لوگ صالح تھے تو قلم ان کے فضائل کو بیان کرے گا لیکن اگر گزرے ہوئے لوگ ناصالح تھے تو ان کا نامناسب کردار نوکِ قلم کے نشانے پر ہوگا.

ہم ان سب چیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں. اگر واقعاً تاریخی پر بحث کا نتیجہ ، تفرقے اور گروہ بندی کے علاوہ کچھ نہیں ، تو پھر جناب والا اور آپ کے ہم فکر افراد نے ان سب تاریخی بحثوں کو کیوں چھیڑا اور اختلافات کو ہوا دی ہے؟ بعض دیگر کتابیں ،جو جنابعالی کے دیباچے اور مقدمے سے شروع ہوئی ہیں ، سوائے یک جانبہ تاریخی بحثوں کے ان میں کوئی بات نہیں.[۱]

۱ـ جیساکہ "تأملات فی نہج البلاغہ " اور "زواج عمر بن الخطاب من امّ کلثوم بنت علیؑ" تألیف: ابی معاذ الاسماعیلی

۵. صحبت میں رہنے کا افتخار

مصنف نے "افتخار صحبت" کے عنوان کچھ آیات کو پیش کیا ہے اور ان کا عقیدہ ہے کہ یہ آیات اصحاب رسول ﷺ کے بارے میں ہیں. وہ لکھتے ہیں: پیغمبر خدا ﷺ کی ذمہ داریوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کا تزکیہ نفس کریں جو آپؐ پر ایمان لائے ہیں جبکہ آپؐ امّی اور ناخواندہ تھے. خداوند نے ان (صحابہ) کو آپؐ پر ایمان اور آپؐ کی نورانی صحبت کا افتخار بخشا. جیسا کی ارشاد خداوندی ہے:

"هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولاً مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ"[1]

"وہی تو ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں، خود انہی میں سے رسول کو بھیجا جو ان پر اس (خدا) کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ اس سے پہلے وہ لوگ صریح گمراہی میں تھے"

تجزیہ و تبصرہ:

اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی ذمہ داریوں میں سے ایک تزکیہ اور تعلیم دینا ہے. یہ کام صرف نبی کریم ﷺ کی ذات کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام انبیاء کو انسانوں کی تعلیم اور تربیت کے لیئے مبعوث کیا گیا اور نبی کریم ﷺ بھی انہی میں سے ایک ہیں جن کو خداوند نے ان پڑھ لوگوں میں مبعوث کیا تاکہ آپؐ ان پر آیات الٰہی کی تلاوت فرمائیں اور ان کی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دیں۔

۱۔ جمعہ: ۲

اس بڑی ذمہ داری کو پہنچانے میں کسی قسم کا شک نہیں لیکن آیا جو بھی اس عظیم حکیمؐ کی خدمت میں حاضر تھے ، اس معرفت کے چشمے سے یکساں طور پر فیض حاصل کر پائے؟ مذکورہ آیت میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے.

فرض کریں کسی علاقے کے محکمۂ تعلیم کا افسر تمام طالب علموں تک یہ پیغام پہنچاتا ہے کہ آپ کے اساتید آپ کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہیں اور ان کے وسیلے سے آپ اعلیٰ علمی مقام حاصل کر سکتے ہیں. آیا اس پیغام کا یہ مطلب ہے کہ تمام طالب علم امتحان میں کامیاب ہو جائیں گے اور اعلیٰ علمی مقام کو پالیں گے ؟

جی ہاں ! یہ آیت سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہہ رہی کہ نبی کریمؐ کو خداوند کی جانب سے تعلیم و تربیت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے لیکن کیا یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ وہ تمام افراد جن کی تربیت کے لیئے پیغمبر اکرم ﷺ کو مبعوث کیا گیا، مطلوبہ کمال تک پہنچے ؟ اور کیا دور جاہلیت کے برے اعمال کو ترک کر دیا؟

اس سے بھی زیادہ متعجب کرنے والی بات یہ ہے کہ اس آیت میں تمام امیّین یعنی ان پڑھ عربیوں کا ذکر آیا ہے چاہے انہوں نے رسالت مآب ﷺ کو دیکھا ہو یا آنحضرتؐ کی زیارت سے محروم رہے ہوں.

اگر مذکورہ آیت کو مصنف کی بات پر دلیل کے طور پر مان لیا جائے تو ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ نہ صرف صحابہ بلکہ جزیرۃ العرب کے تمام امیّین اس کمال تک پہنچے.

آنحضرت ﷺ بھی باقی انبیاء کی مانند ہیں ، کچھ لوگوں نے ان کے نور سے فیض حاصل کیا اور کچھ محروم رہے. قرآن مجید کی درذیل آیت کے مطابق زیادہ تر لوگ (انبیاء کے نور سے) محروم ہی رہے: "وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ"

مصنف کا پہلے سے ہی صحابہ کے بارے یہ فیصلہ ، کہ وہ سب کے سب عدالت اور تقوا کے لباس کو زیب تن کیے ہوئے تھے، باعث بنا ہے کہ مصنف ایسی آیت کو دلیل کے طور

پر لائیں جو اس سے متعلق ہی نہیں بلکہ عام مسلمانوں کے بارے میں ہے. بالفرض اگر ان سے متعلق ہو بھی تو پیغمبر اکرم ﷺ کی ذمہ داری کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ تمام لوگوں نے آپؐ کے مبارک وجود سے استفادہ کرلیا.

اب ہم ان دونوں آیات مبارکہ پر غور کرتے ہیں جن مصنف نے صحابہ کی فضیلت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے.

۱۔ "كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ"[۱]

"تم ایک بہترین امت ہو جسے تمام انسانوں کے لیئے بنایا گیا ہے. تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو. اور اگر اہل کتاب ایمان لے آئیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے. ان میں سے کچھ ہی ایمان والے ہیں اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں"

۲۔ "وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ"

"اور اسی طرح (جیسا کہ تمہارے لیئے قبلے کو معتدل بنایا)، ہم نے تمہیں ایک درمیانہ (معتدل) امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر اور گواہ رہو اور رسول ﷺ تم پر گواہ ہیں. اور (اے رسولؐ) جس قبلہ کی طرف تم پہلے (سجدہ کرتے) تھے اسکو ہم نے صرف اسلیئے (قبلہ) قرار دیا تاکہ (جب قبلہ بدلا جائے تو) ہم ان لوگوں کو جو رسولؐ کی پیروی کرتے

۱۔ آل عمران: ۱۱۰

ہیں ان لوگوں سے الگ دیکھ لیں جو الٹے پاؤں (جاہلیت کی طرف) پلٹتے ہیں. یقیناً یہ حکم سوائے ان لوگوں پر جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے، سخت دشوار ہے. (جان لو کہ تمہاری نمازیں صحیح تھیں) اور ایسا ہرگز نہیں کہ خداوند تمہارے ایمان (نماز) کو ضائع نہیں کردے. بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا رفیق اور مہربان ہے."

مصنف دونوں آیتوں اور ترجمے کو بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے: جو آیات خداوند نے صحابہ کی مدح، تعریف اور ان کی صفات کو بیان کرنے کے لیئے نازل کی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں (گویا مصنف نے اسی قدر آیات پر اکتفا کیا ہے).

تجزیہ و تبصرہ:

اصولاً جو کوئی بھی اپنے مدّعیٰ کو ثابت کرنے کے لیئے کسی آیت کو دلیل کے طور پر لاتا ہے، اسے چاہیئے کہ اس آیت کی دلالت کی نوعیت کو بھی بیان کرے. لیکن افسوس کی بات ہے کہ مصنف نے بھی اپنے دوسرے ہم فکر مصنفین کی طرح کتاب کو قرآنی آیات سے مزین کیا ہے اور آیات کی دلالت کی وجہ کو بیان نہیں کیا.

پہلی آیت پوری امت مسلمہ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے جسے دو اہم فریضے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، سونپے گئے ہیں. لہٰذا اسی فریضہ کے تحت اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو نیک کاموں کی دعوت دے اور برائی سے روکے. یہ خصوصیت صرف نبی کریم ﷺ کے زمانے کے صحابہ سے مختص نہیں بلکہ یہ تمام اسلامی امت کی تا قیامت ذمہ داری ہے.

یہاں مصنف نے جو غلطی کی ہے وہ خطاب والے فعل "کنتم" میں ہے.

انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ صرف صحابہ کو مخاطب کیا گیا ہے. قرآن کے عام خطابات مصنفین اور مؤلفین کے خطابات ہی کی طرح ہیں جن میں کوئی خاص شخص مراد نہیں

ہوتا. مثلاً جب کوئی مصنف کہتا ہے: محترم قاری! تو اس کا مقصود وہ تمام افراد ہوتے ہیں جن کے ہاتھ میں کتاب ہو اور وہ اسکا مطالعہ کر رہے ہوں. یہ وہ حقیقت ہے جس کو تمام علمائے اصول نے برملا قبول کیا ہے.

قرآن بھی صراحت کے ساتھ واضح کرتا ہے کہ یہ انہی لوگوں کے لیئے باعث ہدایت ہے جو اس تک رسائی حاصل کریں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَأُوحِيَ إِلَيَّ هٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ"[۱]

"یہ قرآن مجھ پر اس لیئے نازل ہوا ہے تاکہ اس کے ذریعے تمہیں اور جو اس تک رسائی حاصل کرے، ڈراؤں"

ایک اور آیت میں فرمایا:

"شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ..."[۲]

"رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں لوگوں کی ہدایت کے لیئے قرآن کو نازل کیا گیا"

دوسری آیت بھی پہلی آیت کی مانند صرف صحابہ سے متعلق نہیں بلکہ تمام اسلامی امت سے متعلق ہے. قرآن کچھ اس طرح سے فرماتا ہے: جو آئین (اسلام) بھیجا گیا ہے وہ ایک درمیانہ آئین ہے. یہ آئین یہودی افراط اور عیسائی رہبانیت کے درمیان میں ایک معتدل راستہ ہے. لہٰذا اسلامی امت کو کامل ترین قوانین دیئے گئے تاکہ وہ دوسری امتوں پر شاہد اور گواہ رہے.

چونکہ یہ دین درمیانہ اور معتدل ہے اور تاقیامت سب کے لیئے ہے، لہٰذا اس کا خطاب بھی عام ہے، سب زمانوں کے لیئے ہے اور صرف پیغمبر اکرم ﷺ کے زمانے میں موجود لوگوں تک محدود نہیں ہے.

۱۔ انعام: ۱۹

۲۔ بقرہ: ۱۸۵

ابن کثیر ان مفسّرین میں سے ہے جس کو جناب صالح درویش کی طرح دیگر مصنفین بھی مانتے ہیں. وہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ولمّا جعل اللہ ھٰذہ الامّۃ وسطاً خصّھا باکمل الشرائع واقوم المناھج واوضح المذاھب کما قال: هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ[۱]."[۲]

"جب خدا نے اس امت کو "درمیانہ" بنایا تو پھر ان کو کامل ترین قوانین، واضح ترین اسلوب اور صریح ترین آئین عطا کیا"

ہم محترم مصنف اور مترجم سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کتاب کو توجہ کے ساتھ لکھیں، کم از کم ایک عدد تفسیر کی طرف ضرور رجوع کریں اور کسی بات کا پہلے سے فیصلہ کرلینا ان کے منحرف ہونے کا باعث نہ بنے. اس طرح کی تفسیر (بالرّائے) ایک قسم کی قرآن میں معنوی تحریف کے مترادف ہے اور صد در صد قابل مذمت ہے.

۶. تاریخ میں ایک استثناء

محترم مصنف نے اس باب میں کچھ آیات کو بحث میں شامل کیا ہے جن سے دو باتیں سامنے آتی ہیں:

۱. نبی کریم ﷺ اپنی امت کے ساتھ رؤف اور رحیم تھے.

۲. صحابہ، کافروں کے مقابلے میں، سخت اور ایک دوسرے کے ساتھ مہربان تھے.

پھر مصنف یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ تمام امت اسلامی کو ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنی چاہیئے اور اہلبیتؑ بھی چونکہ صحابہ کا جزء تھے، لہٰذا وہ بھی باقی صحابہ کے ساتھ رؤف

۱۔ حج: ۷۸

۲۔ تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص۱۹۰

اور مہربان تھے.

اب ہم مذکورہ آیات پر نظر ڈالتے ہیں:

۱. "لَقَدْ جاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ ما عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَحِيمٌ"[۱]

"یقیناً تم ہی میں سے ایک رسول تمہاری طرف آیا جس پر گراں ہے کہ تم مشکلات اٹھاؤ، تمہاری ہدایت پر مُصر ہے، مؤمنوں پر بڑا مہربان اور رحیم ہے"

۲. "مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدّاءُ عَلَى الْكُفّارِ رُحَماءُ بَيْنَهُمْ تَراهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِنَ اللَّهِ وَرِضْواناً سيماهُمْ في وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْراةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوى عَلى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّالِحاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيماً"[۲]

"محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے مقابلے میں بڑے سخت اور آپس میں بہت نرم دل ہیں. تو ان کو دیکھے گا کہ (خدا کے سامنے) جھکے سر بسجود ہیں خدا کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں کثرت سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑ گئے ہیں۔ ان کی مثال توریت میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے ایسی کھیتی کی مانند جس نے زمین سے اپنی کونپل نکالی پھر اسکو مضبوط کیا اور پھر اپنی جڑ پر سیدھی کھڑی ہو گئی، کسانوں کو (اپنی تازگی کی وجہ سے) حیرت میں ڈال دیا، یہ اس لئے ہے کہ کافروں کے غصے کو اور زیادہ بھڑکائے. خداوند نے ان میں سے بعض لوگوں کے ساتھ ، جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے"۔

۱۔ توبہ: ۱۲۸

۲۔ فتح: ۲۹

تجزیہ:

پہلی آیت کے بارے میں ہم یہ یاددہانی کرانا چاہیں گے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کی صفات میں ایک خلق عظیم، کشادہ روئی اور آپؐ کی مہربان طبیعت تھی لہٰذا قریش کی تمام ترا ذیتوں اور تکالیف کے باوجود آپؐ نے خدا سے عذاب کی درخواست نہ فرمائی بلکہ خود قرآن کے مطابق نبی کریم ﷺ کے وجود عذاب کے نازل ہونے میں مانع ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: "وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ "[1]

"یہ خداوند کی شان کے خلاف ہے کہ ان پر عذاب کرے جبکہ آپؐ ان کے درمیان موجود ہوں"

تمام مسلمانوں کے شایان شان بھی یہی ہے کہ آپس میں مہربان اور رؤف ہوں لیکن بات کچھ اور ہے اور وہ یہ کہ کیا رسالت کے زمانے یا اسکے بعد والے سب مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ کی اقتداء کی یا بعض آپس میں مہربان اور بعض ایک دوسرے کے دشمن تھے؟

تاریخی کتب یہ بتاتی ہیں کہ اگرچہ بعض ایک دوسرے پر مہربان تھے لیکن ان میں سے ایک بڑا گروہ جنگ وجدل کی آگ کو بھڑکانے والے تھے. صحابہ اور تابعین کے ایک گروہ نے خلیفۂ وقت (عثمان) کو اسکے گھر میں قتل کردیا. عثمان کے قتل کے بعد ان میں فتنے کی آگ بھڑک اٹھی. جنگ جمل دس ہزار سے اوپر اور جنگ صفین پچاس ہزار سے زیادہ افراد کے قتل پر اختتام پذیر ہوئی. اس کے بعد خوارج کا فتنہ سامنے آیا جو کئی سال تک مسلمانوں کو گمراہ اور جنگی شعلوں کو بھڑکاتے رہے.

تاریخی صفحات یہ بتلاتے ہیں کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد مہاجرین اور انصار کے

۱۔انفال: ۳۳

درمیان سرد جنگ جاری رہی اور وہ ایک دوسرے کو اشعار اور گفتگو میں برا بھلا کہتے تھے.

دوسری آیت کے ذیل میں دو باتوں کو نہیں بھولنا چاہیئے:

۱۔ کیا جملہ "أَشِدّاءُ عَلَى الْكُفّارِ رُحَماءُ بَيْنَهُمْ" خبری جملہ ہے اور یہ ظاہر کر رہا ہے یارانِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافروں کے مقابلے میں سخت اور آپس میں نرم دل ہیں؟ یا یہ جملہ انشاء کے مقام پر ہے اس معنیٰ میں کہ بہتر اور ضروری ہے کہ وہ کافروں کے سامنے سخت اور آپس میں نرم دل رہیں؟ ان میں سے پہلا امکان، مستند تاریخ کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ تاریخ صحابہ اور ان کے بعد تابعین کا دور ہمیشہ خونی جنگوں سے بھرپور رہا ہے. اس صورت میں آیت کو ان کے حالات کا عکاس نہیں مانا جاسکتا بلکہ مجبوراً دوسرے امکان کو مد نظر رکھنا پڑے گا یعنی اسلامی معاشرے کے شایان شان یہی بات ہے کہ اس کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ مہربان اور شفیق رہیں. اتفاقیہ طور پر خود مصنف نے گزشتہ صفحات میں اس بات کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے:

" ہم یہاں مختصر طور پر اہلبیتؑ اور صحابہ کے درمیان رحمت اور شفقت کا ذکر کریں گے.... باوجود اسکے کہ ان کے درمیان جنگیں واقع ہوئیں پھر بھی وہ ایک دوسرے کے ساتھ رحیم اور مہربان تھے." [۱]

۲۔ اسی آیت کے زمرے میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ خداوند نے تمام یاران رسول خداؐ سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ نہیں کیا بلکہ ان میں سے صرف کچھ کو "منهم" (جو بعض پر دلالت کرتا ہے) کے لفظ کی رو سے اس حکم میں شامل کیا ہے. جیسا کہ ارشاد ہوا:

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّالِحاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيماً"

" خداوند نے ان میں سے بعض لوگوں کے ساتھ، جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے

۱۔ وحدت و شفقت، ص ۱۷

رہے، بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے. "

بنابرایں مذکورہ آیت تمام صحابہ مدح میں نہیں ہے بلکہ ان میں ایک گروہ کی مدح میں ہے. اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کی نظر میں یہ خاص گروہ کون سے افراد ہیں؟ تاریخ کی طرف رجوع کرکے ان کو پہچاننے کی ضرورت ہے.

ہم صحابہ کے آپس میں رویّے اور ان کے درمیان جھگڑے سے متعلق ایک حوالے پر ہی اکتفا کریں گے جو صحیح بخاری میں آیا ہے اور اہل سنت برادران اس حوالے کا انکار نہیں کر سکتے.

افک کے مسئلے میں سعد بن معاذ اور سعد بن عباد کی دیرینہ دشمنی واضح طور پر عیاں ہے. جھگڑاا یہاں تک پہنچا کہ یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کا خون بہانے کے قریب جا پہنچے.

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: اے مسلمانو! کون ہے جو مجھے ایسے شخص کے بارے میں (اقدام کرنے سے) روکے جو میرے اہلبیتؑ کو تکلیف پہنچائے؟ اس موقع پر قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ نے کھڑے ہو کر کہا: اے رسول خدا! اگر وہ شخص قبیلہ اوس میں سے ہوا تو آپ ﷺ کو مداخلت کی ضرورت نہیں پڑے گی، میں خود اس شخص کی گردن اڑا دوں گا اور اگر خزرج قبیلے کے برادران میں سے ہوا تو آپ ﷺ کے حکم سے اس کے بارے میں بھی یہی کام انجام دوں گا. سعد بن عبادہ (قبیلہ خزرج کے سردار) نے اس موقع پر سعد بن معاذ کی طرف تعصب بھری نگاہ سے دیکھا اور کہا: خدا کی قسم تم خزرجیوں میں سے ایک فرد کو بھی قتل نہیں کر سکتے، تم میں اس کام کی سکت ہی نہیں.

اس دوران سعد بن معاذ کا چچازاد، اسید بن حضیر (دونوں قبیلہ اوس میں سے تھے)، کھڑا ہوااور سعد بن عبادہ سے کہا:

تم جھوٹ کہتے ہو، خدا کی قسم اگر اس قسم کا شخص خذرجیوں میں سے بھی ہو تو بھی ہم

اس کو قتل کریں گے. تم منافق ہو اور منافقوں کی حمایت کرتے ہو!

اس وقت دونوں قبیلوں کے افراد جوش میں آگئے اور قریب تھا کہ ایک دوسرے کو قتل کرڈالیں. پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت منبر پر کھڑے تھے. آپ نے ان کو آہستہ آہستہ خاموش کرادیا.[1]

۳۔ "وَالَّذِينَ جَاؤُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ"[2]

"اور وہ جو لوگ ان (مہاجرین اور انصار) کے بعد آئے، کہتے ہیں: اے پروردگار ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ایمان میں ہم سے سبقت لے گئے، بخش دے اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے لیئے جو ایمان لائے، کینہ قرار نہ دے. اے پروردگا! بے شک تو مہربان اور رحم کرنے والا ہے".

جو مذکورہ آیت مصنف نے پیش کی ہے وہ ایک اسلامی دستور ہے جس کے مطابق ہمیں چاہیئے کہ ہم گذشتہ مسلمانوں کے لیئے مغفرت کی دعا کریں اور خدا سے یہ چاہیں کہ ہمارے دلوں میں ان کے لیئے کینہ اور نفرت قرار نہ دے۔

۱۔ صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن، حدیث ۴۷۵۰

فقال رسول اللہ وھو علی المنبر: یا معشر المسلمین من یعذرنی من رجل قد بلغنی اذاہ فی اھل بیتی فواللہ ما علمت علی اھلی الا خیرا، ولقد ذکروا رجلا ما علمت علیہ الا خیرا وما کان یدخل علی اھلی الا معی، فقام سعد بن معاذ الانصاری، فقال: یا رسول اللہ انا اعذرک منہ ان کان من الاوس ضربت عنقہ وان کان من اخواننا الخزرج امرتنا ففعلنا امرک قلت، فقام سعد بن عبادۃ وھو سید الخزرج وکان قبل ذالک رجلا صالحا ولکن احتملتہ الحمیۃ فقال سعد: کذب لعمر اللہ لا تقتلہ ولا تقدر علی قتلہ، فقام اسید بن حضیر وھو ابن عم سعد بن معاذ فقال لسعد بن عبادۃ: کذبت لعمر اللہ لنقتلنہ، فانک منافق تجادل عن المنافقین فتثاور الحیان الاوس والخزرج حتی ھموا ان یقتلوا ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قائمۃ المنبر فلم یزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یخفضھم حتی سکتوا وسکت

۲۔ حشر: ۱۰

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دستور اس وقت ایک عملی ذمہ داری ہے لیکن کیا یہ سب کے بارے میں ہے ؟ یا پھر وہ گروہ جنہوں نے اپنی زندگی میں ہی لعنت اور بیزاری کے اسباب فراہم کیے ، آیت کے اس جملے "لِإِخْوانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونا بِالْإِيمانِ" میں شامل نہیں ہیں اور اگر بالفرض شامل ہوں بھی تو آگے چل کر قطعی دلیل کی بنا پر خارج ہو گئے ہیں۔

اب ہم اس گروہ میں سے چند اہم نمونوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

ا۔ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے والے:

"إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَناتِ الْغافِلاتِ الْمُؤْمِناتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيا وَ الْآخِرَةِ وَ لَهُمْ عَذابٌ عَظِيمٌ"[1]

" وہ لوگ جو پاکدامن، بے خبر اور مؤمن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں ،وہ دنیا میں خدا کی رحمت سے دور کر دیئے گئے ہیں اور آخرت میں ان کے لیئے سخت عذاب ہے (چاہے وہ اصحاب رسول ﷺ یا تابعین میں سے ہی کیوں نہ ہوں..."

۲۔ نبی کریم ﷺ کو تکلیف پہنچانے والے:

"إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَ رَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيا وَ الْآخِرَةِ وَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذاباً مُهِيناً"[2]

"جولوگ خدا اور اسکے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں خدا نے دنیا اور آخرت میں ان کو اپنی رحمت سے دور کیا ہے اور انکے لیئے خوار کرنے والا عذاب تیار کیا ہے"۔

ا۔ نور: ۲۳

۲۔ احزاب: ۵۷

۳۔ حق اور حقیقت کے منکر:

"إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ"[۱]

"بیشک جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی واضح دلیلوں اور ہدایت کے وسیلوں کو، اس کے بعد کہ ہم نے کتاب میں اسے انسانوں کے لیئے بیان کیا ہے، پنہان کرتے ہیں، خدا ان پر لعنت بھیجتا ہے اور تمام لعنت بھیجنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں"

یہ وہ گروہ ہے جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے اور اس لحاظ سے صحابہ، تابعین اور دوسروں کے درمیان کوئی فرق نہیں لیکن سنت (روایات) میں جن لوگوں پر لعنت بھیجی گئی ہے ان کی تعداد یہاں گنوانا ممکن نہیں ہے لہٰذا ہم چند ایک کا ہی ذکر کرتے ہیں:

۱۔ "لعن اللہ من اکل الربا و شاھدہ و کاتبہ"

"اس پر خدا کی لعنت ہو جو سود کھائے، اس (سود) پر گواہ بنے اور اس کا حساب کتاب لکھے"

۲۔ "لعن اللہ الخمر و لعن شاربھا و ساقیھا"

"خدا شراب، اور شراب پینے والے اور پلانے والے پر لعنت کرے"

۳۔ "لعن اللہ الراشی و المرتشی فی الحکم"

"خدا لعنت کرے عدالت میں رشوت لینے والے اور دینے والے پر"

۴۔ "لعن اللہ المشتبھین من الرجال بالنساء..."

"ایسے مردوں پر خدا کی لعنت ہو جو عورتوں کا حلیہ اختیار کرتے ہیں"

۵۔ "لعن اللہ من سبّ والدیہ..."

"خدا لعنت کرے اس پر جو اپنے والدین کو گالی دے"

۱۔ بقرۃ: ۱۵۹

۶۔ "لعن اللہ من یمثّل بالحیوان..."[۱]

"خدا لعنت کرے اس پر جو کسی حیوان کے مثلہ کرے..."

ایسے گروہ جن پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت کی، سے آگاہی کے لیئے المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی۔ ج۶، ص ۱۲۲ اور ۱۲۳ کی طرف رجوع کریں۔ یہاں خلاصہ ہونے کی وجہ سے انہیں بیان نہیں کیا گیا۔

بنا برایں مذکور آیت جس میں گذشتہ لوگوں کی مغفرت کی درخواست کا ذکر ہے، ایک کلی اصول ہے لیکن اس کا مقصود مذکورہ گروہ نہیں ہے۔ اس کلی اصول کی رو سے جب تک واضح نہ ہو جائے کہ لعنت اور سرزنش کا ایک سبب بھی ان میں موجود نہ تھا، ایک ایک صحابی اور تابعین کی پاکی پر دلیل نہیں لائی جا سکتی۔

لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب تک کسی مسلمان کی زندگی کا کوئی کمزور پہلو ہم پر واضح نہ ہو، ہمیں چاہیئے کہ اسکے لیئے مغفرت کی دعا کرتے رہیں سوائے اسکے کہ قاطع دلائل کا تقاضا ہو جن کی بنا پر ہم اس سے بیزاری کا اظہار کریں۔

۷۔ اہل بیتؑ کا اپنے بیٹوں کے نام، خلفاء کے ناموں پر رکھنا:

اب تک محترم مصنف کی طرف سے جو کچھ بیان ہوا اور اس پر جو تنقید کی گئی اس کا مقصد مقدمہ سازی کرنا تھا۔ انہوں نے دو دلیلوں کے ذریعے صحابہ اور اہلبیت علیہم السلام کے درمیان خوشگوار تعلقات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

پہلی دلیل (مصنف کی خیال میں) یہ ہے کہ وہ نیک نام رکھنے سے متعلق کچھ نکات بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں:

۱۔ فہرس مسند احمد، ج۲، ص ۴۵۶، مادہ "لعن" اور تمام روایات مسند احمد میں آئی ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے تین خلیفوں کے فرط محبت سے ان کے ناموں کو اپنے تین بیٹوں کے لیئے چنا:

۱۔ ابو بکر بن علی، جو اپنے پیارے بھائی امام حسین علیہ السلام کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے.

۲۔ عمر ابن علی جنہوں نے کربلا کی جنگ میں شرکت کی اور امام زین العابدینؑ کے ساتھ مدینہ واپس لوٹے.

۳۔ امام حسن علیہ السلام نے اپنے تین بیٹوں کے نام ابو بکر، عمر اور طلحہ رکھے.

امام حسین علیہ السلام نے اپنے بیٹے کا نام عمر رکھا.

امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنی ایک بیٹی کا نام عائشہ اور بیٹوں میں سے ایک کا نام عمر رکھا.

جائزہ اور تبصرہ:

ہم یہاں ان روایات کے صحیح یا کمزور ہونے پر بحث نہیں کریں گے کیوں کہ ہماری اصل بحث ان ناموں کے رکھنے کا صحیح یا ضعیف ہونا نہیں بلکہ ان میں سے بعض تو جنجال اور نزاع کا باعث ہیں. جو بات اہم ہے وہ یہ ہے کہ ہم مصنف کی توجہ اس بات کی طرف دلانا چاہتے ہیں کہ مدّعا کو ثابت کرنے کے لیئے اس قسم کا استدلال نہایت غیر موزوں اور بے بنیاد ہے کیونکہ؛

۱۔ بیشتر نو مولود بچوں کے نام ماؤں کی طرف سے رکھے جاتے تھے نہ کہ والد کی طرف سے، اور اہل بیتؑ کی ازواج میں سے بہت کم بنی ہاشم میں سے تھیں. لہٰذا اس قسم کے نام ماؤں کی طرف سے تھے. آئمہ نے بھی اس کام سے منع نہیں فرمایا اور ان ناموں کو بدلنے کی کوئی وجہ بھی نہ تھی۔

امیر المؤمنین علیہ السلام اپنے رجز میں فرماتے ہیں:

انا الذی سمّتنی امّی حیدرۃ
ضرغام آجام ولیث قسورۃ

"میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے. میں چیر پھاڑنے والے شیر کی مانند دلیر ہوں"

۲۔ مذکورہ نام صرف تین افراد تک ہی محدود نہ تھے اور ایسا ہرگز نہ تھا کہ اس زمانے میں تین افراد کے علاوہ یہ نام کسی اور کے نہ ہوں بلکہ یہ نام اس وقت رائج تھے. دوسری طرف نام رکھنے کا معیار یہ نہ تھا کہ چونکہ یہ نام خلفاء کے تھے لہٰذا اہل بیتؑ نے بھی اپنے بیٹوں کے لیئے انہی ناموں کو منتخب کیا بلکہ یہ اس وجہ سے تھا کہ یہ نام عربی میں اس وقت رائج ناموں میں سے شمار کیئے جاتے تھے. ثبوت کے طور پر اصحاب رسول ﷺ میں کثیر تعداد ایسے صحابہ کی تھی جن کے نام ابوبکر، عمر اور عثمان تھے. یہاں ہم ان میں سے چند نام نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں:

اصحاب میں نامِ ابوبکر:

۱۔ ابوبکر بن شعوب لیثی
۲۔ ابوبکر ثقفی
۳۔ ابوبکر عنسی
۴۔ ابوبکر بن حفص

اصحاب میں نامِ عمر:

۱۔ عمر الاسلمی
۲۔ عمر الجمعی
۳۔ عمر بن حکم السلمی
۴۔ عمر بن سالم الخزاعی

۵۔ عمر بن سراقۃ بن المعتمر

۶۔ عمر بن سعد الانماری

۷۔ عمر بن سعد السلمی

۸۔ عمر بن سفیان بن عبد الاسد

۹۔ عمر بن ابی سلمۃ بن عبد الاسد

۱۰۔ عمر بن عامر السلمی

۱۱۔ عمر بن عبید اللہ بن ابن زکریا

۱۲۔ عمر بن عمرو اللیثی

۱۳۔ عمر بن عمیر بن عدی

۱۴۔ عمر بن عوف النخعی

۱۵۔ عمر بن خزیہ

۱۶۔ عمر بن اللاحق

۱۷۔ عمر بن مالک بن عتبۃ

۱۸۔ عمر بن مالک بن عقبۃ

۱۹۔ عمر بن مالک الانصاری

۲۰۔ عمر بن یزید الخزاعی

۲۱۔ عمر بن معاویۃ الغاضری

۲۲۔ عمر بن الیمانی[۱]

اصحاب میں نامِ عثمان:

۱۔ عثمان بن الازرق

۱۔ اسد الغابہ، ج۴، ص۵۱ تا ۸۲

۲۔ عثمان بن حنیف الانصاری

۳۔ عثمان بن ربیعہ

۴۔ عثمان بن شماس بن دوید المخزومی

۵۔ عثمان بن طلحہ

۶۔ عثمان بن ابی العاص

۷۔ عثمان بن عامر

۸۔ عثمان بن عبدالرحمٰن التیمی

۹۔ عثمان بن عبد غنم

۱۰۔ عثمان بن عبیداللہ بن عثمان

۱۱۔ عثمان بن عبیداللہ الھدیر

۱۲۔ عثمان بن عثمان الثقفی

۱۳۔ عثمان بن عثمان الشرید

۱۴۔ عثمان بن عمرو الانصاری

۱۵۔ عثمان بن عمر

۱۶۔ عثمان بن قیس بن ابی العاص

۱۷۔ عثمان بن محمد بن طلحہ

۱۸۔ عثمان بن مظعون

۱۹۔ عثمان بن معاذ القرشی[۱]

صحابی خواتین میں نامِ عائشہ:

۱۔ عائشہ بنت جریر بن عمرو

۱۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۳۷۱ تا ۳۸۷

۲۔ عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص الزھریہ
۳۔ عائشہ بنت ابی سفیان بن الحارث بن زید
۴۔ عائشہ بنت عبدالرحمٰن بن عتیک النضریہ
۵۔ عائشہ بنت عمیر بن الحارث بن ثعلبۃ الانصاریۃ
۶۔ عائشہ بنت قدامۃ بن مظعون القرشیۃ الجمحیۃ
۷۔ عائشہ بنت معاویۃ بن المغیرۃ بن ابی العاص بن امیۃ[۱]

اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہ نام عرب معاشرے میں رائج اور مشہور تھے جس کی بنا پر اہل بیت علیہم السلام نے بھی، قطع نظر اس بات کے کہ ناموں کا معیار خلفاء ہوں، انہی ناموں کو استعمال کیا بلکہ جنہوں نے خود خلفاء کے نام رکھے انہوں نے بھی اسی شہرت سے فائدہ اٹھایا. فرض کریں یہ نام اس وقت مشہور نہ ہوتے اور صرف چند اشخاص کت ہی محدود ہوتے، پھر بھی یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ نہ تو کسی شخص کا برا عمل اس کے نام کو بدنام کرتا ہے اور نہ ہی شخص کی بدنامی کا اس کے نام کے ساتھ کوئی تعلق ہے بشرطیکہ کہ بذات خود اس کا نام خوبصورت ہو. مسلمانوں میں منفور ترین شخص عبدالرحمٰن ابن ملجم ہے لیکن شیعہ اور سنی مردوں میں عبدالرحمٰن نام اس قدر زیادہ ہے کہ اس کو شمار نہیں کیا جا سکتا. محمد رضا بھی خوبصورت ناموں میں سے ایک ہے جیسا کہ نام رضا ایک خاص خوبصورتی کا حامل ہے. اب اگر چند لوگ ان ناموں کے ساتھ برے کام کریں تو یہ چیز باعث نہیں بنتی کہ دوسرے لوگ اس نام سے افادہ حاصل نہ کریں.

جناب شیخ صالح! چند بے بنیاد اور بے سود دلیلوں کے ذریعے بعض اصحاب کی خاندان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بے رخی پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا. بہتر تھا کہ آپ بھی وہی راستہ اختیار کرتے جس آپ نے ہمیں نصیحت کی ہے یعنی بہتر ہے کہ تاریخی واقعات میں نہ

۱۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، ج ۴، ص ۳۴۸ تا ۳۵۲

پڑیں اور تاریخی حقائق سے پردہ نہ اٹھائیں. یہاں مصنف کی "شفقت اور مہربانی" پر پہلی دلیل ختم ہوئی. اب ہم دوسری دلیل پر بحث کرتے ہیں۔

۸. رشتہ داری یا قربت

یہاں ہمارے اہل قلم دوست جناب شیخ صالح درویش نے عرب معاشرے اور اسلام میں شادی اور رشتہ کی اہمیت کے بارے میں ایک وسیع باب کھولا ہے جسکی ضرورت نہ تھی. یہاں جو نکتہ اہم ہے وہ ان کی صحابہ اور اہل بیتؑ کے درمیان خوشگوار تعلقات پر دوسری دلیل ہے. ہم ذیل میں اس دلیل کا ذکر کرتے ہیں:

امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی بیٹی امّ کلثوم کی شادی عمر سے ہوئی اور مترجم کے کہنے کے مطابق اس شادی کی تاریخ ہجرت کا سترہواں سال تھا. وہ مزید لکھتا ہے کہ اس شادی کو جبری نہیں کہا جاسکتا کیونکہ غیرت اور شجاعت علی علیہ السلام اس بات کو گوارا نہیں کرتی یہ بات واضح کرتی ہے کہ دونوں گھرانے ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے.

تجزیہ و تبصرہ:

اہل بیتؑ اور خاندان رسالت کی زندگی ایک وسیع دائرے پر مشتمل ہے جسکے تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھے بغیر کسی ایک جزء کے بارے میں فیصلہ نہیں کیا جاسکتا. یہ بلکل ایسے ہی ہے جیسا کہ کوئی آدمی حج کے تمام اعمال اور مناسک میں سے صرف خانہ خدا کے گرد طواف پر تجزیہ و تبصرہ کرے جو پتھر اور مٹی سے بنایا گیا ہے. یقینا اس صورت میں فیصلہ دوسری صورتحال سے بلکل مختلف ہو گا جس میں آدمی حج کے تمام مناسک، اسکی شرائط اور اسکے اثرات کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کرے.

ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں اس کا یہ عمل غیر عاقلانہ سمجھا جائے گا جبکہ دوسری صورت میں حج کو ہر زاویے سے دیکھنے سے یہ ایک بہت بڑی کانفرنس کی شکل میں تجلی کرے گی اور جس میں اسلام کی عظمت نمایاں ہوگی.

امام صادق علیہ السلام کے زمانے میں ایک مادہ پرست شخص ابن ابی العوجاء نے مندرجہ بالا پہلی سوچ کے تحت خانہ خدا کے گرد طواف کو ایسے جانوروں سے تشبیہ دی جو گندم کے دانے صاف کرنے کی خاطر چکر لگاتے ہیں. اس نے کہا:

"الی کم تدوسون ھذا البیدر"

"آخر کب تک اس گندم کے دانے کو صاف کرتے رہوگے؟!"[1]

لہٰذا آپ کو خاندان رسول ﷺ کی زندگی کو آنحضرت ﷺ کی رحلت سے لے کر اس زمانے تک مد نظر رکھنا چاہیئے جن دنوں میں یہ شادی انجام پائی جبکہ آپ نے ثقیفہ اور اس کے بعد رونما ہونے والے تمام تر تلخ واقعات سے چشم پوشی کی ہے. آپ نے عہد شکنوں، خوارج اور منحرفین کی طرف سے بہائے گئے خون کو نظر انداز کر دیا ہے. آپ سینکڑوں دائروں میں سے ایک دائرے پر اپنی نظریں جمائے ہوئے ہیں اور پھر یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اہلبیت علیہم السلام اور صحابہ کے درمیان رابطہ بلکل صاف اور شفاف تھا. ہم نے پہلے بھی تھوڑا سا حقائق سے پردہ اٹھایا اور اسی پر اکتفا کیا کیونکہ ہمارا مقصد شبہے کو مٹانا ہے اختلاف اور گروہ بندی پیدا کرنا نہیں.

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ شادی ہوئی بھی یا نہیں اور اگر بالفرض ہوئی بھی تو اس وقت کیا حالات تھے؟ کیونکہ شادی ایک خاموش عمل ہے اور ممکن ہے کہ اس کے کچھ پہلو یا شرائط ایسی ہوں جن سے ہم آگاہ نہ ہوں. ایسی صورت حال میں ہم ایک مخفی، تناقض اور اختلافات سے بھرپور عمل پر نہ تو بھروسہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی نتیجہ نکال

۱۔ احتجاج طبرسی، ج۲، ص۲۰۷، نشر اسوہ۔

سکتے ہیں. یہاں ہم ان لوگوں کے دلائل کے بارے میں بات نہیں کریں گے جو شادی کے ہونے کا انکار کرتے ہیں اور فرض کرتے ہیں کہ یہ شادی ہوئے لیکن آیا یہ رشتہ باقی مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے ،حضرت علی علیہ السلام کے خاندان اور خلیفہ دوم کے درمیان، شفقت کو ثابت کرتا ہے؟ اب ہم ان نکات کا تفصیل سے ذکر کرتے ہیں جن کا مصنف نے دعویٰ کیا ہے.

ام کلثوم کی شادی اور اس کا سبب:

ظاہری طور پر اس شادی کا سبب خلیفہ کے ذہن میں وہ حدیث تھی جو اس نے نبی کریم ﷺ سے نقل کی ہے:

"كل نسب وسبب منقطع يوم القيامة الا نسبي وسببي"

"قیامت والے دن سوائے میرے نسب اور مجھ سے رشتے کے، تمام نسب اور رشتے کٹ جائیں گے"[1]

پھر خلیفہ مزید کہتا ہے کہ "میں نے پیغمبر ﷺ کے ساتھ مدتوں زندگی گزاری ہے، میں چاہتا ہوں کہ یہ کام انجام پائے"

لیکن لگتا یہی ہے کہ باطن میں کچھ اور مقصد چھپا ہوا تھا وہ یہ چاہتا تھا کہ اس طریقے سے وہ اپنے پچھلے اعمال کو مخفی رکھے اور رشتہ داری کے ذریعے ماضی کو بھلا دیا جائے. عربوں اور بلخصوص قبائل میں شادی اختلافات کو مٹانے اور خون ریزی کو ختم کرنے کے عنوان سے رائج تھی. آج بھی کسی حد تک یہ رسم ہے کہ دیرینہ جھگڑوں اور بڑی بڑی لڑائیوں کے بعد جب طرفین کو سمجھ بوجھ آتی ہے ایک گروہ دوسرے گروہ سے رشتہ لے کر یا دیکر اپنے ماضی کو چھپاتے ہیں.

۱۔ الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۴۶۳

شادی اور رشتہ مانگنے کی رسم کی کیفیت:

جب رشتہ مانگا گیا تو امیر المؤمنین علیہ السلام نے مندرجہ ذیل طریقوں سے ٹالنے کی کوشش کی تاکہ یہ رشتہ انجام نہ پائے۔

الف: آپ نے فرمایا: میری بیٹی ابھی چھوٹی ہے (اس کی شادی کا ابھی وقت نہیں)۔

خلیفہ نے جواب دیا: "انک واللہ ما بک ذالک ولکن قد علمنا ما بک"

"خدا کی قسم تمہارا مقصد یہ نہیں۔ میں جانتا ہوں تمہارا مقصد کیا ہے تم اس کام کو روکنا چاہتے ہو"[1]

ب: جب خلیفہ نے رشتہ مانگنے پر اصرار کیا تو حضرت علیؑ نے دوسرا عذر پیش کیا اور فرمایا میں نے اپنی بیٹیوں کو اپنے بھائی جعفر کے بیٹوں کے لئے رکھا ہے۔[2]

عمر نے جواب دیا۔

ج: امیر المؤمنینؑ نے اس درخواست کو قبول نہیں کیا اور تیسرا عذر لاتے ہوئے فرمایا: میں یہ مسئلہ اپنے گھر والوں اور قریبی افراد کے سامنے رکھوں گا۔ مشورے کے لئے تین افراد تھے عقیل اور حسنین۔ عقیل اس تجویز سے سخت غضب ناک ہوئے اور حضرت علیؑ سے گستاخانہ لہجے میں کہا جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے تم اپنے کاموں میں حقائق سے دور ہوتے جا رہے ہو، خدا کی قسم اگر یہ کام ہوا تو ایسا ویسا ہو جائے گا۔ اور پھر اس کے نقائص کو گنا اور اپنی جگہ سے کھڑے ہوگئے اور اس حالت میں گئے کہ اپنے لباس کو زمین پر کھینچ رہے تھے جب خلیفہ کو عقیل کی مخالفت کی خبر ملی تو کہا کتنی عجیب بات ہے عقیل ایک نادان اور غیر عاقل مرد ہے۔ حسنینؑ نے بھی اپنے چچا کی طرح انکار کیا لیکن ممکن طور پر

۱۔ طبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۴۶۴؛ الذریہ الطاہرۃ، ابی بشیر دولابی (۲۲۴-۳۶۰) ص ۱۵۵۔

۲۔ الطبقات الکبری، ج ۸، ص ۴۶۳؛ الاستیعاب، ج ۴، ص ۴۹۱، اسد الغابہ، ج ۵، ۶۱۵، الاصابہ ج ۴، ص ۴۶۹

ادب کا خیال رکھتے ہوئے فرمایا: اُم کلثوم بھی دوسری عورتوں کی طرح اختیار رکھتی ہے اور اپنے لئے شوہر کا انتخاب کر سکتی ہے. جب عمر کو اس رفت آمد کا کوئی نتیجہ نہ ملا تو اس نے حضرت علیؑ کے چچا عباس ابن عبد المطلب سے بات کی اور اُس سے کہا.

(مالی ؟أبی بأس؟قال: وما ذلك؟خطبت الی ابن اخيك فردّنی).[۱]

ترجمہ: مجھ میں کون سا عیب ہے آیا مجھ میں رکاوٹ ہے عباس سمجھ گئے اور کہا کہ کیا بات ہے عمر نے کہا میں نے آپ کے بھتیجے کی بیٹی کا رشتہ مانگا ہے اور مجھے منفی جواب ملا یہاں سے وہ دھمکی کا آغاز کرتا ہے اور کہتا ہے.

"أما والله لأعورنّ زمزم، ولا أدع لكم مكرمة الاّ هدمتها ولا قيمنّ عليه شاهدين بانّه سرق ولأقطّعن يمينه فاتاه العبّاس فاخبره وساله ان يجعل الامر اليه فجعله اليه".

ترجمہ: خدا کی قسم میں زم زم کو خشک کر دونگا. (اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے حاجیوں کو پانی دینا عباس کے ذمہ تھا) اور تمھارے لئے کوئی فضیلت نہیں چھوڑوں گا سوائے اس کے کہ اُس فضیلت کو نابود کر دوں. دو آدمیوں کو آمادہ کرونگا کہ وہ شہادت دیں کہ تمھارے بھتیجے نے چوری کی ہے اور پھر میں اُس کے دونوں ہاتھ کاٹ دوں گا. جب عباس نے یہ بات سنی اور حضرت علی علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا تو اُن سے یہ چاہا کہ اپنی بیٹی کا رشتہ اُسے دے دے اس میں شک نہیں کہ یہ دھمکی اندر سے خالی تھی علیؑ کا مقام اور منزلت اس سے کہیں بڑھ کر تھی کہ انہیں کسی قسم کا الزام لگایا جاسکے لیکن یہ رفت وآمد یہ ظاہر کرتی ہے کہ ایک طرف سے خلیفہ اس پر مصر تھا اور دوسری طرف سے بنی ہاشم ڈٹے ہوئے تھے اور حضرت علی علیہ السلام نے کچھ مصلحتوں کی بنا پر خلیفہ کی درخواست کو قبول کیا.

۱۔ کافی، ج۵، ص۳۴٦

ضمیر کا فیصلہ :

تاریخ صرف اِدھر اُدھر کے واقعات کو نقل کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ تاریخی تجزیے میں دیگر مسائل کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے اور پھر اُس کے متعلق فیصلہ کرنا چاہیے. جو کچھ فریقین کی کتابوں میں آیا ہے اُس کے مطابق یہ شادی انجام پائی اور یہ شادی کروانے والے حضرت علیؑ کے چچا ابن المطلب تھے لیکن بات تو یہ ہے کہ آیا یہ رشتہ مکمل رضامندی سے ہوا یا اُس میں اندرونی یا بیرونی دباؤ کا اثر تھا. آپ ایک مختصر سے حساب کتاب اور ضمیر کے فیصلے سے یہ جان سکتے ہیں کہ یہ شادی کس قدر رضامندی یا رغبت کے ساتھ انجام پائی؟

١. اس میں شک نہیں ہے کہ خاندان رسالتؐ کے خلیفہ وقت کے ساتھ تعلقات مناسب نہیں تھے. خانہ وحی پر حملہ اور دختر پیغمبر اکرم ﷺ کی ہتک حرمت ایسی چیزیں ہیں جن سے انکار نہیں کیا جاسکتا جب پہلے خلیفہ نے اس کو خلافت کے لئے امیدوار بنایا تو صحابہ کے ایک گروہ نے اس بات پر اعتراض کیا اور کہا تم نے ایک کُھردرے اور سخت مزاج شخص کو ہم پر مسلط کر دیا؟

٢. طبری لکھتا ہے: اس سے پہلے خلیفہ نے ابو بکر کی بیٹی اُم کلثوم کا رشتہ مانگا لیکن اس نے خلیفہ کی سخت مزاجی کی وجہ انکار کر دیا. آخر کار عائشہ نے عمرو بن العاص سے کہا کہ خلیفہ کو رشتہ مانگنے سے روکے لہٰذا اُس نے بھی ایک خاص طریقے سے خلیفہ کو شادی کرنے سے منحرف کر دیا اور کہا تم ایک سخت مزاج شخص ہو اور ابو بکر کی بیٹی سے بد اخلاقی کروگے اس صورت میں ابو بکر کا خاندان غمگین ہو جائے گا کیا ہی بہتر ہے کہ تم اس کام کو کرنے کا ارادہ بدل دو.

٣. اپنے ضمیر کو منصف بنائیں! ایسا خاندان جو اس رشتہ مانگنے سے راضی نہیں اور ابھی تک اپنی ماں کے نالوں کی آواز اُن کے کانوں میں گونج رہی ہے اور دوسری طرف

رشتہ مانگنے والا شخص بھی جوان نہیں بلکہ اپنی عمر کے آخری حصّے میں ہے اور کردار ومزاج کے لحاظ سے ایک سخت انسان ہے، ان شرائط میں کون سا خاندان ہے جو اپنی پھول جیسی بیٹی کو اس طرح کے داماد کے حوالے کرے؟ کوئی بھی خاندان چاہے فکری اور معاشی لحاظ سے کتنا ہی نچلی سطح پر کیوں نہ ہو اس طرح کا کام نہیں کرتا.

خاندان امامت اور نبوت تو اس کام سے بعید ہے لہٰذا اس شادی کو اچھے روابط کی علامت نہیں سمجھا جاسکتا. جو کوئی شیعہ کتب سے منعکس ہوتا ہے اس کے مطابق، یہ صرف ایک نکاح تھا اور یہ واضح نہیں ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور رسم بھی انجام پائی ہو حتیٰ کہ امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ جس دن عمر ابن خطاب فوت ہوا امیر المؤمنینؑ اپنی بیٹی امّ کلثوم کو گھر لے آئے[۱]، مسعودی لکھتا ہے اس شادی سے عمر کی کوئی اولاد نہیں ہوئی[۲]۔

اس واقعہ کے ساتھ ساتھ بہت سارے مؤرخین اور علم رجال پر لکھنے والے افراد نے ایسے نکات کا ذکر کیا ہے جو کبھی بھی قابل قبول نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ خاندان رسالت کی عفت اور کرامت کے شایان شان کے علاوہ ان کی اسناد بھی کمزور اور قابل تردید ہیں لہٰذا ہم ہے ان اسناد کا ذکر کرنے سے اجتناب کر رہے ہیں. مترجم حاشیہ میں لکھتا ہے طبری کی نقل[۳] کے مطابق یہ شادی ہجرت کے سترہویں سال میں ہوئی لیکن ہم مترجم کی توجہ اس نکتہ کی طرف دلانا چاہیے کہ طبری نے یہ واقعہ سیف ابن عمر سے نقل کیا ہے جو ایک کاذب اور جھوٹا شخص ہے[۴]، آفرین ہو اس طرح کے تجزیہ پر!

۱۔ کافی ج ۶، ص ۱۱۵

۲۔ مروج الذھب، ج ۲، ص ۳۲۱، چاپ دار الاندلس،

۳۔ تاریخ طبری، سترہویں سال کے حوادث، ج ۳، ص ۱۶۶۔

۴۔ تہذیب التہذیب، ابن حجر، ج ۴، ص ۲۹۷، ایڈیشن انڈیا۔ ابن حبان کہتا ہے: وہ (سیف بن عمر) بے دین ہے۔ المجروحات، ج ۱، ص ۳۴۵۔

امام صادقؑ، نواسہ ابو بکر ! :

جناب درویش لکھتے ہیں: امام صادقؑ نے فرمایا" میرا نسب دو طریقوں سے ابو بکر تک پہنچتا ہے:

۱) میری والدہ امّ فروہ کی طرف سے جو کاظم ابن محمد ابن ابی بکر کی بیٹی ہیں.

۲) امّ فروہ کی والدہ کی طرف سے جو میری نانی اور عبدالرحمٰن ابن ابی بکر کی بیٹی ہیں. پھر کہتا ہے اس جملے کو کلینیؒ نے "کافی" میں اور ابن عنبہ نے "عمدۃ الطالب" میں نقل کیا ہے.

تجزیہ وتبصرہ:

جناب صالح درویش سے ہمیں یہ توقع ہے کہ حوالہ جات کو نقل کرتے وقت زیادہ غور کریں اور جب تک کوئی بات اپنی آنکھوں سے کسی کتاب میں نہ دیکھیں اس کی طرف کو نسبت نہ دیں جب کہ اُن کا مقصود جملہ "ولدنی ابوبکر مرّتین" کلینی کی طرف سے کافی میں نہیں، بلکہ کافی کے مؤلف نے حضرت کے ساتھ اپنی نسبت کو بیان کیا ہے اور لکھا ہے: اس کی والدہ ام فروہ، قاسم ابن محمد کی بیٹی اور امّ فروہ اسامہ بنت عبدالرحمٰن ابن ابی بکر کی والدہ ہیں. نہ تو مؤلف نے اس بات کو امام صادقؑ سے منسوب کیا اور نہ ہی حضرتؑ نے اس نسبت پر فخر کیا ہے اور نہ ہی یہ جملہ "ولدنی ابوبکر مرّتین" ہے. ابن عنبہ نے اپنی کتاب عمدۃ الطالب میں مذکورہ جملہ کو امام صادقؑ سے نقل ہے کہ آنحضرتؑ نے فرمایا:

"ولدنی ابوبکر مرّتین"[۱]

۱۔ عمدۃ الطالب: ۱۹۵ط نجف اشرف

لیکن کوئی سند پیش نہیں کی کس طرح ایک حدیث مرسل اور بغیر سند کے کسی بات پر دلیل لائی جاسکتی ہے ؟اسی طرح اربلی نے کشف الغمہ میں عبدالعزیز الاخضر اخباری[۱]،جو اہلسنت کے علماء سے ہیں، کی کتاب سے نقل کرتا ہے اور کہتا ہے:

"قال جعفر: ولقد ولدنی ابوبکر مرتین".[۲]

پہلی بات تو یہ ہے کہ حدیث کا نقل کرنے والا ایک سنی شخص ہے اور اس کی بات "احتجاج (یعنی دلیل" کہ مقام پر شیعوں کے لئے حجت نہیں ہے دوسری بات اگر یہ روایت حجت ہو بھی تو مکمل طور پر سند کے بغیر ہے. حدیث مرسل ہے جبکہ حدیث مرسل بغیر سند کے قطعی طور پر ناقابل استدلال ہے . کیا بغیر سند کی حدیث کے کسی عقائدی اصول پر دلیل لائی جاسکتی ہے ؟آپ نے سقیفہ کے بعد ہونے والی خونی جنگوں اور واضح طور پر ہونے والی کشمکش کو نظر انداز کردیا ہے اور بے بنیاد حدیث کے ذریعے استدلال کیا ہے .آپ اسطرح سے تلخ ماضی کو چھپانا چاہتے ہیں . وہی بات جس کی آپ نے ہمیں نصیحت کی ہے کاش اس پر خود بھی عمل کرلیتے بہتر تھا کہ آپ ان تاریخی مسائل میں نہ اُلجھتے اور اس شگاف کو زیادہ عمیق نہ کرتے .

۹ . صحابہ کے درمیان شفقت اور محبت

کتاب ''وحدت اور شفقت'' کے مصنف نے اس حصّے میں صحابہ کی زندگی اور ان کے جہاد کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کی ہے اور ان آیات کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے جن کا ہم بعد میں تجزیہ وتبصرہ کریں گے۔

۱۔ عبدالعزیز بن محمد بن المبارک الأخضر، حنبلی جنابذی نے بعد میں بغداد کی رہائش اختیار کی۔ سنہ ۵۲۴ کو پیدا ہوا اور سنہ ۶۱۱ کو فوت ہوا (شذرات الذهب، ج ۵، ص ۴۶)

۲ ۔ کشف الغمہ، ص ۳۸۶

اس سے پہلے کہ ان آیات کا ذکر کیا جائے ہم درج ذیل چند نکات کو پیش کرنا چاہیں گے۔

۱. مصنف کی باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شیعہ صحابہ کے معاملہ میں بے رخی اختیار کرتے ہیں اور ان سے ذرا بھر بھی محبت کا اظہار نہیں کرتے جبکہ یہ بہت بڑی غلطی ہے جس کا ارتکاب مصنف سے پہلے بھی لوگوں نے کیا اور مصنف نے بھی انہیں کی پیروی کی ہے لہٰذا بہت سارے اہلسنت برادران کے ذہن میں یہ بات ہے کہ شیعہ، صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں اور صحابہ کو برا بھلا کہنا گویا شیعوں کی ایک نشانی ہے. یہ تہمتیں صدیوں سے ان کے ذہنوں پر حکومت کر رہی ہیں اور اس طرح کے الزامات کو مٹانے کے لئے منصوبہ بندی کی ضرورت ہے جو وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ہونی چاہیے.

۲. یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شیعہ تمام صحابہ کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہوں جبکہ خود شیعوں کے بہت سارے بزرگ، پیغمبر اکرم ﷺ کے اصحاب میں سے تھے. اس سے ہماری مراد صرف شروع کے چند افراد جیسا کہ سلمان مقداد، ابوذر، عمار اور جابر نہیں ہیں بلکہ اصحاب نبی ﷺ میں ۱۵۰ سے زائد صحابہ تشیع میں پیشقدم نظر آتے ہیں جن کا نام ذکر کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے اُن کے حالات اور ناموں کے بارے میں تفصیلات جاننے کے لئے دو کتابوں کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے[۱]۔

ان خصوصیات کے ساتھ یہ لوگ کس طرح ناآگاہانہ طور پر قلم ہاتھ میں لیے تشیع کو صحابہ کو برا بھلا کہنے والے کے طور پر متعارف کرواتے ہیں؟

۳. اگر شیعہ بعض صحابہ کے بارے میں ثبوت کے ساتھ بات کرتے ہیں تو یہ صرف چند صحابہ سے متعلق ہے جنہوں نے نبی کریمؐ کی نصیحت کے خلاف خلافت پر قبضہ کر لیا اور اہل بیتؑ کو ان کے الہی حق سے محروم کر دیا۔ ان کی تعداد ان کا شمار انگلیوں کی تعداد سے

۱۔ ملل و نحل، ج ۶، ص ۹۰، در راہ حقیقت، ص ۲۳

زیادہ نہیں ہے باقی صحابہ کے بارے میں تشیّع کا کوئی عقیدہ نہیں ہے اور ان کے بارے میں کہتے ہیں:

"اللھم اغفر لنا لاخواننا الذین سبقونا بالایمان"

۴. مصنف نے صحابہ کی تعریف سے متعلق صرف ان آیات کے بارے میں بحث کی ہے جن میں ان کی انفرادی تعریف نہیں کی گئی بلکہ مجموعی طور پر تعریف کی گئی ہے. لیکن جن آیات نے بعض صحابہ کی مذمت کی ہے ان کو ذکر نہیں کیا.

اس طرح کا مصنف ایسے جج کی مانند ہے جو ایک موٹی سی فائل میں سے صرف وہی چیزیں نکالے جو اس کی سوچ کے مطابق ہوں اور باقی کاغذ جو اس کی سوچ کے خلاف ہوں ان پر خاموشی اختیار کرے. جناب شیخ صالح درویش قطیف کی سول عدالت کے جج ہیں امید ہے کہ قطیف کی عدالت میں فائلوں کا اسطرح مطالعہ نہیں کرتے ہوں گے بلکہ تمام کاغذوں کو پڑھنے کے بعد مقدمے کے بارے میں فیصلہ کریں .

۵. وہ بعض ایسی آیات کو ثبوت کے طور پر لاتے ہیں جو رسول کریمؐ کے زمانے سے لے کر قیامت تک تمام مؤمنوں اور مسلمانوں کے بارے میں ہیں لیکن صحابہ کے بارے میں پہلے سے کیے گئے فیصلے کے زیر اثر تمام آیات کو ان سے متعلق قرار دیتے ہیں.

۶. وہ آیات جو یاران پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں آئی ہیں اور کسی نہ کسی طرح سے ان کی ستائش کرتی ہیں وہ ایک مجموعی تعریف ہے اور اس کا ایک ایک صحابی کے ساتھ کوئی انفرادی تعلق نہیں. جب کسی فوج کا کمانڈر اپنے ماتحت افراد کی بہادری اور شجاعت کی تعریف کرتا ہے تو اس کی تعریف اس چھاؤنی میں موجود ایک افسر سے لے کر سپاہی تک ہوتی ہے۔

اس تعریف کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ چند ہزار افراد میں سے کچھ اس تعریف کے قابل نہیں ہیں.

جو چیز اصل میں غلطی کا باعث بنی وہ یہ ہے کہ مصنف نے اس قسم کی آیات کو ان سب کے اجتماع سے متعلق نہیں جانا بلکہ ایک ایک صحابی سے متعلق جانا ہے .انہوں نے بے ساختہ طور پر قرآن پر تضاد کا الزام لگایا ہے کیوں کہ وہی قرآن جو یاران رسول خداؐ کی تعریف کرتا ہے ان میں سے بعض کی مذمت اور ملامت بھی کر رہا ہے. ہم اس قسم کی آیات کے چند نمونے پیش کریں گے اب ہم اس تمہید کی روشنی میں "تمام صحابہ کی عدالت "یا" صحابہ اور اہل بیتؑ کے درمیان الفت کا وجود "کے بارے میں مصنف کے دلائل کے بارے میں بات کریں گے .

"...وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا..."[۱]

ترجمہ : اور خدا کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی نعمت کے سبب بھائی بن گئے .

تجزیہ اور تبصرہ:

مصنف کا یہ طریقہ ہے کہ آیات کو پیش کرتے ہیں لیکن اپنے دعوے پر ان آیات کی دلالت کی کیفیت کے بارے میں بات نہیں کرتے. مذکورہ آیت یہ بتا رہی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اسلام کے سائے میں انصار میں سے اوسیان اور خزرجیان کے درمیان صلح وجود میں لائی اور ان کے سو سالہ پرانے جھگڑوں کا خاتمہ کیا اور انہیں ایک دوسرے کا دینی بھائی بنا دیا. اسی طرح مہاجرین اور انصار میں الفت پیدا کی اور سب ایک خاندان کے بھائی بن گئے. مصنف کا آیت کو پیش کرنے کا کیا مقصد ہے؟

۱۔ آل عمران : ۱۰۳

آیا مراد یہ کہ وہ سب آخری عمر تک عادل، پارسا اور پرہیزگار انسانوں کی مانند باقی رہے؟ اس آیت سے اس طرح کا کوئی مطلب اخذ نہیں کیا جاسکتا. ثبوت کے طور پر وہی افراد جن کو خداوند نے بھائی چارے کی نعمت عطا کی انہوں نے ہجرت کے ساتویں اور آٹھویں سالوں میں پیغمبر خدا ﷺ کو اس حالت میں ترک کیا جب وہ جمعے کا خطبہ ارشاد فرمارہے تھے اور ایک تجارتی قافلے کے پیچھے دوڑ پڑے. قرآن کی تعبیر کے مطابق انہوں نے تجارت اور لہو کام کو خطبہ سننے پر ترجیح دیا. اگر مصنف کی مراد یہ ہے کہ انہوں نے آخری عمر تک ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے رکھا تو یہ بھی حقیقت کے خلاف ہے. اسی بھائیوں کے گروہ نے کئی دفعہ ایک دوسرے پر غیض وغضب کا اظہار کیا اور ایک دوسرے کو گالم گلوچ اور مار پیٹ بلکہ بعض نے تو بعد میں ایک دوسرے سے جنگ کی اور ایک دوسرے کو قتل کیا. وقاص کوفہ کا والی تھا عثمان نے اس کو عہدے سے معزول کیا اور اس کی جگہ ولید ابن عقبہ کو منسوب کیا۔

عبداللہ بن مسعود اس وقت بیت المال کے امین تھے. انہیں جب اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے ولید کے ساتھ کام کرنے سے انکار کردیا. بیت المال کی چابیوں کو اس کی طرف پھینکتے ہوئے کہا: کیا یہ مناسب ہے کہ سعد بن وقاص کو معزول کیا جائے اور اس کی جگہ ولید بن عقبہ کو بٹھایا جائے؟ ولید نے اس واقعے کی رپورٹ عثمان کو بھجوائی اور کہا کہ عبداللہ بن مسعود تمھاری غیبت کرتا ہے. عثمان نے حکم دیا کہ اسے مدینہ بھیج دیا جائے. جب وہ مدینہ میں داخل ہوا تو عثمان منبر پر خطبہ دے رہا تھا. جیسے ہی اسے عبداللہ ابن مسعود کی مسجد میں موجودگی کا پتہ چلا تو اس طرح کہنے لگا: "الا انّہ قد قدمت علیکم دویبۃ سوء، من یمشی علی طعامہ یقیٔ ویسلح"

ترجمہ: اے لوگو! جان لو مدینہ میں ایک باریک اور ناپسندیدہ جانور داخل ہو چکا ہے. ایسا جانور جو اپنے کھانے کے درمیان چلتا ہے قے کرتا ہے اور اپنا فضلا گراتا ہے.

اس دوران ابن مسعود نے دور سے پکار کر کہا: میں ایسا نہیں ہوں میں بدر اور بیعت رضوان والے دن یار رسول خداؐ تھا. عائشہ نے اپنے ہجرے سے بلند آواز میں کہا اے عثمان! تم یار رسول خداؐ کے بارے میں اس طرح کے الفاظ کہہ رہے ہو. عثمان نے حکم دیا کہ عبداللہ کو مسجد سے نکال دیا جائے۔ عثمان کے دربار میں سے کچھ کارندوں نے ابن مسعود کو زمین پر دے مارا اور اس کے دانتوں کو توڑ دیا.[1]

وہی جنہیں خداوند تعالی نے ایک دوسرے کا بھائی کہا، جناب شیخ صالح درویش یہ خیال کررہے ہیں کہ وہ سب آخری عمر تک اخوت دینی کی پاسداری کرتے رہے. ان میں صرف عبداللہ بن مسعود ہی نہیں جنہیں مار پیٹ کر مسجد سے نکالا گیا بلکہ عمار یاسر، ابوذر[2] اور دیگر کئی شخصیات کی بھی عثمان کے کارندوں کے ذریعے توہین کی گئی اور انہیں مارا پیٹا گیا لہٰذا اخوت اسلامی کی جگہ کینے اور دشمنی نے لے لی.

دینی بھائی ہونا دوسروں کے حقوق کا لحاظ کرنے کی دلیل نہیں:

خداوند تعالیٰ مذکورہ آیت کے ذریعے صحابہ پر منت جتاتے ہوئے فرمارہا ہے:

" تم اسلام کے سائے میں دوسرے کے بھائی بن گئے" اور ایک دوسری آیت میں تمام مومنین کو ایک دوسرے کا بھائی کہا ہے لہٰذا فرمان خداوندی ہے: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ[3] لیکن کیا ان ہی مؤمنوں نے اس حکم الٰہی کی اطاعت کی اور چودہ صدیوں میں ان کے درمیان کوئی جنگ اور خون ریزی واقعہ نہ ہوئی؟

فیصلہ محترم قارئین پر چھوڑتے ہیں!

---

۱ ۔ انساب الاشراف، ج ۶، ص ۱۴۷، تاریخ ابن کثیر، ج ۷، ص ۱۶۳ و ۱۸۳، حوادث سال ۱۶۱

۲ ۔ انساب الاشراف، ج ۶، ص ۱۶۱۔

۳ ۔ حجرات: ۱۰

حکم الٰہی اور بات ہے اور مسلمانوں کا عمل دوسری بات. ہو سکتا ہے کئی دفعہ ان دونوں چیزوں کا آپس میں بہت بڑا فرق ہو. ایک مصنف کے بقول:

"الاسلام شئ والمسلمون شئ آخر" کیا ہی عجیب بات ہے کہ قطیف کی عدالت کے جج ایک واجبی حکم کے ذریعے، خارجی صورت حال کی پیش گوئی کر رہے ہیں اور کہتے ہیں:

چونکہ وہ اسلام کے سائے میں دینی بھائی بن گئے لہٰذا وہ نہ ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے تھے اور نہ ہی ایک دوسرے پر زیادتی کرتے تھے! اصل میں مصنف نے ایک بالکل واضح تاریخی حقیقت اور اپنے بزرگان کی باتوں سے چشم پوشی کی ہے.

دوسری آیت: وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَ بِالْمُؤْمِنِينَ[1]

ترجمہ: "اور اگر وہ لوگ آپ کو فریب دینا چاہیں تو اللہ آپ کے لئے کافی ہے وہ وہی ہے جس نے اپنی اور مومنین کی مدد کے ذریعے آپ کی تائید کی"

تیسری آیت: وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَ لَكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ[2]

ترجمہ: "اور اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی اگر آپ جو کچھ روئے زمین پر ہے اسے خرچ کر دیتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے لیکن خداوند نے ان میں الفت پیدا کی بے شک وہ غلبے اور حکمت والا ہے"

مصنف دونوں آیتوں کے معنوں کو آپس میں ملاتے ہوئے اس طرح نتیجہ نکالتا ہے: خداوند متعال، نبی ﷺ اور صحابہ کو اپنا فضل یاد دلا رہا ہے. اس کا فضل کیا ہے؟ مومنین

۱۔ انفال: ۶۲

۲۔ انفال ۶۳

کے وسیلے سے تائید اور نصرت کون سے مومنین؟ وہ جن کے دلوں میں خداوند نے الفت اور محبت ڈال دی اگر نبی کریمؐ روئے زمین پر موجود تمام مال و دولت اور وسائل کو خرچ بھی کر ڈالتے تو ہر گز ان کے دلوں میں الفت اور محبت پیدا نہ کر پاتے.[1]

تجزیہ:

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اسلام کے آئین نے اس زمانے کے لوگوں کے دلوں میں وحدت پیدا کی کیونکہ سب کو خدائے واحد اور روز جزا کا معتقد بنایا. بشر کو اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار دیا اس قسم کی فکری اور قلبی وحدت، الفت اور اتحاد کا سبب بنی اور اس کے ذریعے کفار سے جہاد میں مدد ملی. یہ کوئی ایسی بات نہیں جو کسی کے لیئے پوشیدہ ہو اور مذکورہ دو آیتوں کے ذریعے اس پر دلیل لائی جائے.

اصل بات ایک دوسری جگہ پر ہے: کیا وہ رسول خدا ﷺ کی رحلت کے بعد اسی مہربانی اور الفت پر باقی رہے یا یہ کہ غنائم اور منصب کی لالچ اور طمع نے انکی وحدت اور الفت پر کاری ضرب لگائی؟ اتفاقاً قرآن مجید بھی ان کو تلخ مستقبل کے بارے میں خبر دار کر رہا ہے گویا کہ یہ پیش گوئی کر رہا ہے کہ وہ مستقبل میں اس قسم کی مشکل سے دوچار ہوں گے. لہٰذا ارشاد ہوتا ہے:

"وما محمّد الاّ رسول قد خلت من قبله الرّسل أفان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئاً وسیجزی الله الشاکرین".

ترجمہ: "اور محمدؐ سوائے رسول کے کچھ نہیں ہیں ان سے پہلے بھی رسول آئے اگر وہ فوت ہو جائے یا قتل کر دیا جائے تو کیا تم اپنے پیروں پر واپس پلٹ جاؤ گے؟ اور جو کوئی

۱۔ وحدت و شفقت، ص ۸۲،۸۱

اپنے پیروں پر واپس پلٹ جائے تو ہر گز وہ اللہ کو کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا خدا عنقریب شکر کرنے والوں کو پاداش عطا کرے گا".

یہ آیت واضح طور پر بیان کر رہی ہے کہ آپ ﷺ کے یاران میں دور جاہلیت کی طرف پلٹنے کے امکان انکار نہیں کیا جا سکتا. لہٰذا قرآن خبر دار کرتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ پیغمبرؐ کی وفات یا ان کے قتل کے ساتھ تم دور جاہلیت کی طرف پلٹ جاؤ.

پھر قرآن یہ بات یاد دلا رہا ہے کہ لوگوں کا جاہلیت والے زمانے میں واپس پلٹنا خدا کو نہیں بلکہ خود ان کو نقصان پہنچائے گا. قرآن اشارے کے ساتھ یہ سمجھا رہا ہے کہ رسول خدا ﷺ کے یاران میں سے ایسے بھی ہیں جو دین کے شیدائی ہیں اور تمام تر مستقل مزاجی کے ساتھ دین کے راستے پر ثابت قدم رہتے ہیں. خدا ان کو پاداش عطا کرتا ہے. بنا بر ایں مصنف کے مد نظر پہلی دو آیتیں رسول خدا ﷺ اور تیسری آیت آپؐ کی رحلت کے بعد والے زمانے کے حالات کی عکاسی کر رہی ہیں. ان دونوں آیتوں کا آپس میں کسی قسم کا تضاد نہیں. تاریخی اصول کی روشنی میں، کسی معاشرے کے مخصوص حالات کو، اس معاشرے کے مستقبل کے حالات پر گواہ نہیں بنایا جا سکتا.

پیغمبر اکرم ﷺ کے اس دنیا سے جانے کے بعد، فتوحات کے نتیجے میں، مدینہ میں بہت زیادہ مال غنیمت کی آمد شروع ہو گئی. بہت سارے یاران پیغمبر ﷺ میں پائی جانے والی پاک روح اور آخرت کی طرف رجحان، دنیا طلبی اور حبِ مال میں تبدیل ہو گئی۔

عبد الرحمٰن ابن عوف کے وراثت میں اسقدر سونا باقی بچا کہ اسے کلہاڑے سے کاٹ کر ورثاء میں تقسیم کیا گیا.[1]

۱۔ طبقات ابن سعد ص ۱۲۶، مروج الذھب، ج ۲، ص ۳۵۰ تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۷۰ اصفۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۳۵۵ الریاض النضرۃ ج ۴، ص ۲۷۲۔

لیکن اسی زمانے میں رسول خدا ﷺ کے عظیم صحابی، ابوذر غفاری، ربذہ میں سخت جھلسا دینے والی گرمی میں دھوپ اور پیاس کے باعث اس دنیا سے چلے گئے.

پیغمبر خدا ﷺ کلام سے ایک گواہی:

اس سے پہلے ہم نے عرض کیا کہ جو دو آیتیں مصنف کے مد نظر ہیں وہ پیغمبر اکرم ﷺ کے زمانے کو بیان کر رہی ہیں لیکن آنخضرت ﷺ کی رحلت کے بعد حالات بدل گئے اور خود نبی کریم ﷺ بھی ان حالات کے بارے میں خطرہ محسوس کر رہے تھے. گویا کہ نور الٰہی کے ذریعے بعد والی صورت حال کے بارے میں پیش گوئی فرما رہے تھے جس کے مطابق آپکے یاران دنیوی امور میں کشمکش کی وجہ سے ایک دوسرے کا خون بہائیں گے. چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

"لا ترجعوا من بعدی کفّارا یضرب بعضکم رقاب بعض".[1]

ترجمہ: " میرے بعد تم کفار میں سے نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو."

پیغمبر اکرم ﷺ، عمار یاسر کے دلخراش مستقبل کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"تقتلك الفئة الباغية"

ترجمہ: "تمہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا"[2]

ان باغیوں میں سر فہرست، یاران پیغمبر ﷺ میں سے ایک اور آپ کے کہنے کے مطابق "سیّدنا معاویہ" تھا. جس آدمی نے عمار یاسر کو قتل کیا وہ بھی آنخضرتؐ کے صحابہ میں سے ایک شخص بنام "ابوالغادیۃ الجھنی" تھا. اس بنا پر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ شفقت

۱۔ صحیح بخاری، باب ((الخطبۃ بمعنی)) حدیث ۱۷۴۱۔

۲۔ جامع الاصول، ج۹، شمارہ ۶۵۸۰۔

اور الفت اصحاب پیغمبر ﷺ میں اسی طرح باقی رہی ؟ اگر واقعاً تمام صحابہ نے لباس عدالت کو زیب تن کیا ہوا تھا، اور ان پر کسی قسم کی گرد نہ پڑی تھی، تو پھر عمر کے زمانے میں کوفہ کے امیر مغیرہ ابن شعبہ[۱] پر زنا کا الزام کیوں لگا ؟ اور تین افراد نے اُس کے بُرے فعل کی گواہی دی جب چوتھے شخص کی باری آئی تو اُسے مختلف حیلوں کے ذریعے گواہی دینے سے روک دیا گیا کیوں کہ عدالت کے قاضی (جو خود عمر تھا) نے کہا: میں کسی ایسے مرد کو نہ دیکھوں جس کی زبان پر خدا ایسے الفاظ جاری کرے جس سے مہاجرین میں سے ایک فرد رسوا ہو جائے[۲].

یہ بعض صحابہ کے برے افعال کے معمولی سے نمونے ہیں جبکہ ان کے نزاع اور جنگ وجدال کی کئی مثالیں موجود ہیں جس کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے . ہمارا مقصد یہاں چند نمونے پیش کرنا ہے.

بعض صحابہ (نہ سب کے سب) کی پرہیزگاری کو بیان کرنے کے لئے فقط یہی کافی ہے کہ ماہ مبارک رمضان میں بیوی کے ساتھ ہمبستری دن اور رات دونوں میں حرام تھی، لیکن ان میں سے بعض نے اس حرمت الٰہی کی پرواہ نہ کی اور اپنے آپ سے خیانت کرتے تھے . وحی الہیٰ کے ذریعے ان کی اس خیانت سے پردہ اُٹھایا گیا، حرمت کو صرف دن تک محدود کردیا گیا اور ہم بستری کی رات کے وقت اجازت دی گئی . چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

"أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ..."[۳]

ترجمہ: "جن دنوں میں تم روزہ رکھتے ہو ان کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ہمبستری

۱۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۲ ص شمارہ ۱۴۴۔ بخاری اور ذھبی نے صراحت کے ساتھ اسکے صحابی ہونے کو قبول کیا ہے۔

۲۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۳، ص ۲۸، تاریخ طبری، ج ۴، ص ۲۰۷ کامل، ج ۲ ص ۲۲۸

۳۔ بقرۃ: ۱۸۷

کو تمہارے لئے حلال قرار دیا گیا ہے وہ تمہارے لیئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو. خداوند جانتا تھا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کرتے تھے (ممنوع فعل کو انجام دیا کرتے تھے) ".

بعض یہ خیال کرتے ہیں کہ اصحاب پیغمبر ﷺ چاہے ان کا نام ونشان رجال کی کتابوں میں آیا ہے یا وہ جن کا نام ونشان ہم تک نہیں پہنچا، فرشتے یا مذکورہ قسم کے انسان ہیں اور اپنی پوری زندگی کے دوران اُن کے دامنوں پر قسم کی گرد نہیں بیٹھی. میں اُن کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ وہ مندرجہ ذیل افراد کی زندگی کا مطالعہ کریں:

۱. ماعز سلمی

۲. حاتم ابن ابی بلتعہ.

۳. حرقوص ابن زہیر سعدی جو بیعت رضوان میں موجود تھا اور بعد خوارج کا رہبر بن گیا.

۴. حارث ابن سوید ابن صامت جو غزوہ بدر میں موجود تھا اور غزوہ احد میں ایک مسلمان کو دور جاہلیت میں بہائے گئے خون کی خاطر قتل کر دیا.

۵. عبداللہ اخطل جو بعد میں مرتد ہو گیا.

۶. صحابہ کا ایک ایسا گروہ جو جنگ اُحد اور جنگ حنین میں محاذ سے بھاگ نکلا.

۷. عائشہ اور حوأب کے علاقے میں ان کے اُونٹ پر کتوں کا بھونکنا

۸. ابوافادیۃ الجھنی، عمار یاسر کا قاتل.

اُن کی زندگی کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب پیغمبرؐ عام انسانوں سے الگ نہ تھے بلکہ اسی معاشرے کا حصہ تھے.

اُن کو یہ افتخار حاصل تھا کہ اُنہوں نے نورالہٰی کو دیکھا تھا اور نبی کریمؐ کہ ہم نشین تھے لیکن سب کے سب نے عصمت و تقوی اور عدالت کا ایسا کوئی لباس زیبا تن نہیں کیا ہوئے

تھا جو اُنہیں آخری عمر تک بیمہ کردے. تاریخ میں کوئی ایسی قوم نہیں گزری جس میں کسی نبی خدا کے یاران، صرف اُس نبی کو دیکھنے، یا اُس کے ساتھ مختصر سا وقت گزارنے سے اعلیٰ صفات کے حامل انسان بن جائیں.

چوتھی آیت: "لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ".[1]

ترجمہ: "(وہ اموال) اُن غریب مہاجرین کے لئے ہیں جنہیں اُن کے وطن اور اموال سے دور کردیا گیا وہ اللہ سے فضل اور خوشنودی کے طالب ہیں اور (دین کے راستے میں) خدا اور اُس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ سچے ہیں".

جناب شیخ صالح اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: "یہ واضح ہے کہ یہ محبت، اُلفت، قربت اور اپنائیت صحابہ کے پر نور دلوں میں سما چکی تھی. اسی طرح آپ جانتے ہیں کہ اعلیٰ صفات جیسے ایثار، قربانی، اُخوت، برادری، دوستی اپنائیت اور آپس میں سب کی محبت قرآنی آیت کے ذریعے ثابت ہو چکی ہے جس سے صحابہ کے درمیان پیار اور محبت کے ماحول کی صراحت ہوتی ہے. اگر مذکورہ آیت میں غور کیا جائے تو آپ دیکھیں گے کہ اُس میں انصار کی مہاجرین کے ساتھ محبت ثابت ہوتی ہے".[2]

تجزیہ:

جو کچھ مصنف نے اس آیت کے ذیل میں ذکر کیا ہے اُس کا اس آیت کے مضمون سے ذرا برابر تعلق نہیں اور یہ سوائے تفسیر بالرائے کے کچھ نہیں. خدا انسان کو اس آفت سے

۱۔ حشر: ۸

۲۔ وحدت وشفقت، ص ۸۵، ۸۳

بچائے کہ وہ کس طرح اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے آیت کے مفہوم میں تحریف کرتا ہے اور ایسی چیزیں بیان کرتا ہے جن کا آیت میں سرے سے وجود ہی نہیں.

اب ہم مختلف تفاسیر میں ذکر شدہ شان نزول کی روشنی میں اس آیت کے مضمون پر روشنی ڈالتے ہیں:

پیغمبر اکرم ﷺ نے دو یہودی قبیلوں، بنی نضیر اور بنی قینقاع، کو اسلام کے خلاف سازشیں کرنے کی وجہ سے، مدینہ سے نکال دیا کیونکہ ایک معاہدے کے تحت اُن سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ اسلام کے خلاف کسی قسم کی سازشیں نہیں کریں گے لیکن اُنہوں نے اُپنے عہد کو توڑ دیا اور سازشوں میں مصروف ہو گئے. نبی کریم ﷺ نے معاہدے کے مطابق اُن کو مدینہ سے نکال دیا اور اُن کی زمینیں مہاجرین میں تقسیم کر دیں. جب بنی قریظہ کی نوبت آئی تو اُنہوں نے بھی سابقہ دو قبیلوں کی مانند عہد شکنی کی اور اُنہیں اپنے ہی مقرر کردہ قاضی کے حکم کے مطابق پھانسی کی سزا ہوئی اور اُن کی زمینیں بھی مہاجرین میں تقسیم ہوئیں.

نبی کریم ﷺ نے اس تقسیم میں مہاجرین کو انصار پر مقدم جانا. مہاجرین کو انصار پر مقدم کرنے کا سبب یہ تھا کہ مہاجرین کو اُن کے گھر اور کاشانے سے نکال دیا گیا تھا اور وہ مدینہ میں فقر و تنگدستی کی زندگی گزار رہے تھے جبکہ انصار، زمینوں اور جائیداد کے مالک تھے. یہ بات انصار پر سنگین گزری اور اُنہوں نے یہ خیال کیا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے مہاجرین سے رشتہ داری کی وجہ سے اُنہیں انصار پر مقدم جانا ہے لہٰذا اس بارے پیغمبر اکرم ﷺ کی رائے کو واضح کرنے کے لئے آیت نازل ہوئی اور فرمایا:

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ.

بنابر ایں یہ آیت انصار کے اذہان کو روشن کرنے کے لئے ہے یہ ثابت کرنے کے لئے نہیں کہ اُن کے درمیان اُلفت و محبت اور اپنائیت قائم تھی. طبری کی نقل کے مطابق جس وقت پیغمبر اکرمؐ نے بنی نضیر کے اموال کو مہاجرین میں تقسیم کیا تو بعض انصار نے پیغمبر اکرمؐ کے اس رویے کے بارے میں باتیں کی. خداوند نے ان آیات کے ذریعے اُن کی مذمت کی.[1]

سیوطی نقل کرتے ہیں کہ انصار نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: "آپؐ بنی نضیر کے اموال کو ہمارے اور مہاجرین بھائیوں کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کریں.[2]

لہٰذا بعد والی آیت انصار کے قلوب کو آمادہ کرنے کے لئے اُن کی مداح سرائی کر رہی ہے کہ اسلام کو آگے بڑھانے میں اُن کا بھی حصّہ ہے. وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے پہلے ایمان لائے، مدینہ کو آنحضرتؐ اور دیگر اصحاب کے لئے آمادہ کیا پھر کچھ امور کے ساتھ اُن کی توصیف کی جارہی ہے تاکہ اُنہیں ان اوصاف پر عمل پیرا ہونے کے لئے تیار کیا جائے. جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيمانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلا يَجِدُونَ في صُدُورِهِمْ حاجَةً مِمّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كانَ بِهِمْ خَصاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُون.[3]

ترجمہ: "اور جن لوگوں نے اس سرا (مدینہ) اور سرائے ایمان کو مہاجرین سے پہلے اپنا آشیانہ بنایا وہ اُن سے محبت کرتے ہیں جنہوں نے اُن کی طرف ہجرت کی اور اپنے دل میں جو کچھ مہاجرین کو دیا گیا اُس کی حاجت نہیں رکھتے اور اُن کو اپنے اوپر مقدم جانتے ہیں

۱۔ تفسیر طبری، ج ۲۸، ص ۲۸۰۔
۲۔ الدر المنثور ج، ص ۱۰۶
۳۔ حشر: ۹

چاہے خود کتنے ہی نیاز مند کیوں نہ ہوں. جنہوں نے اپنے نفس کو بخل اور حرس سے بچا لیا وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں".

مندرجہ ذیل بالاآیت تین نکات کی حامل ہے:

۱) انصار، مہاجرین سے محبت کرتے ہیں۔

۲) جو کچھ اُن کو دیا گیا اپنے دلوں میں اُس کی حاجت کا احساس نہیں کرتے۔

۳) اُنہیں اپنے اُوپر مقدم جانتے ہیں۔

لیکن در حقیقت یہ "اخبار" نہیں ہے بلکہ "انشاء" ایک قسم کی ذمہ داری کا تعین ہے یعنی اُنہیں اس طرح ہونا چاہیے. اس کی مثال اسی طرح ہے جیسے ایک شخص اپنے بیٹے سے کہے: میرا بیٹا نماز پڑھتا ہے وہ اپنے بیٹے کے نماز پڑھنے کے بارے میں خبر دے رہا ہے جبکہ اِس سے مراد اس کے فرض کو معین کرنا ہے. علماء بلاغت کا عقیدہ ہے کہ جملہ خبریہ کسی بات کو لازمی قرار دینے کے لئے جملہ انشائیہ سے بالاتر ہے. بنا بر ایں مذکورہ آیت میں ایک تربیتی پہلو ہے اور مقصد تعریف کرنا نہیں.

لہٰذا طبری نقل کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ان آیات کے ذریعے اُن کی سرزنش کر رہا ہے، خاص طور پر اس آیت میں "حاجت" کا لفظ "حسد" کے معنوں میں تفسیر کیا گیا ہے.

یہ دوآیتیں اور بعد والی آیت مہاجرین اور انصار کے درمیان ہمیشہ رہنے والے اختلاف اور شگاف کے پیش خیمے کی حکایت کر رہی ہیں جس شگاف کو پُر کرنے اور اختلاف کے پیش خیمے کو جڑ سے ختم کرنے کے لئے وحی الٰہی ہمیشہ کوشاں رہی ہے. یہ واقعہ (پیغمبر اکرمؐ کا غنائم تقسیم کرنے کے رویے اور قریش کو اُن پر ترجیح دینے پر انصار کا اعتراض) ایک دفعہ اور بھی غزوہ حنین میں تکرار ہوا کیونکہ پیغمبر اکرمؐ نے کثیر مقدار میں غنائم ،ابوسفیان اُس کی مانند افراد، کو دیئے. پیغمبر اکرمؐ کا یہ عمل انصار کی ناراضگی کا سبب بنا.

پیغمبر گرامیؐ نے مذاکرات اور تشفی کے ذریعے اُن کی کدورت کو دور کر دیا اور فرمایا:

"اے انصار کے گروہ تم کیوں قریش کو مختصر سے مال کو دینے پر، تاکہ وہ اسلام پر قائم رہے جبکہ تمہیں میں نے تمہارے اسلام پر چھوڑ دیا، ناراض ہوگئے؟ کیا تم اس بات راضی نہیں ہو کہ دوسرے لوگ اُونٹ اور بھیڑیں لے کر جائیں اور تم اپنے ساتھ پیغمبرؐ کو لے کر جاؤ. خدا کی قسم اگر تمام لوگ ایک راستے پر چلیں اور انصار دوسرے راستے پر تو میں انصار کے راستے کو منتخب کروں گا"

اس کے بعد آپ نے انصار اور اُن کی اولاد کے لئے رحمت طلب فرمائی. آنحضورؐ کی گفتگو کا انصار کے جذبات پر اس قدر اثر ہوا کہ سب نے گریہ کرتے ہوئے کہا اے رسول خداؐ ہم اپنے حصّے پر راضی ہیں اور ذرا سا شکوہ بھی نہیں ہے[1].

ایک دلچسپ کہانی:

اپنی کتاب کے ایک حصّے میں مصنف نے لکھا ہے: اب آپ مندرجہ ذیل داستان پر توجہ فرمائیں جو علی اردبیلی نے اپنی کتاب "کشف الغمہ" میں نقل کی ہے: امام زین العابدین، علی ابن حسین علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: عراق کے لوگوں کا ایک گروہ آپکی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے ابوبکر اور عثمان کو بُرا بھلا کہا. جب اُن کی بات ختم ہوئی تو حضرت سجاد علیہ السلام نے فرمایا: آپ مجھے بتائیں گے کہ کیا آپ شروع والے مہاجرین میں سے ہیں جن کے بارے میں خداوند تعالیٰ نے فرمایا:

"الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ..."؟

اُنہوں نے کہا: نہیں پھر آپؑ نے پوچھا: کیا آپ اُن میں سے ہیں جن کے بارے میں خدا نے فرمایا: وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ"؟ کہا: نہیں۔

تو آپ نے فرمایا:

۱۔ سیرۃ ابن ہشام، ج ۴، ص ۱۴۳، ۱۴۴

پس جب آپ نے اعتراف کیا کہ پہلے دو گروہوں میں سے نہیں تو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اُن لوگوں میں سے بھی نہیں ہیں جن کے بارے میں خدا نے فرمایا:

" وَالَّذِينَ جَاؤُمِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِإِخْوَانِنَا ....".؟

ترجمہ : " اور جو اُن کے بعد آئے کہتے ہیں : اے ہمارے ربّ ہمیں اور ہمارے اُن بھائیوں کو بخش دے جو ایمان میں ہم پر سبقت لے گئے پھر فرمایا اُٹھو اور یہاں سے چلے جاؤ.

تجزیہ :

پہلی بات یہ ہے کہ کتاب "کشف الغمہ" کا مؤلف "علی ابن عیسی اربلی" ہے "علی اردبیلی" نہیں . اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے ذاتی طور پر کتاب کی طرف رجوع نہیں کیا اور اس واقعہ کو دوسروں کی زبانی نقل کیا ہے. بالفرض مصنف نے داستان کی طرف رجوع کیا اور غلطی سے "اربلی" کی جگہ "اردبیلی" چھپ گیا تو بھی یہی کہنا چاہیے کہ "کشف الغمہ" نے یہ واقعہ کتاب "حلیۃ اولیا" میں امام سجاد علیہ السلام کی شرح زندگی سے نقل کیا ہے. اس واقعہ کو ایک سند کے ذریعے امام سجاد علیہ السّلام سے نقل کیا گیا ہے. اتفاقاً اس کی سند میں ابراہیم ابن قدامہ جمحی ہے جس کے بارے میں کہتے ہیں : "مدنی لا یصرف" یعنی ایک مجہول اور ناشناختہ شخص ہے. حتی کہ ذہبی اس سے ایک خبر نقل کرتا ہے اور کہتا ہے:

"وھو خبر منکر" [۲]

---

۱ ۔ حلیۃ الاولیا، ج۱، ص ۱۳۶، ترجمہ علی بن الحسین علیہ السلام

۲ ۔ میزان الاعتدال، ج۱، ص ۵۳ شمارہ ۱۷۱

آیا یہ درست ہے کہ ایک ایسی خبر (جو مد مقابل، نہ کہ موافق، کی کتاب سے نقل کی گئی ہو وہ بھی ایک مجہول شخص کی سند کے ساتھ) کے ذریعے کسی عقیدے پر دلیل لائی جائے؟

آپ دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ تاریخ کی طرف رجوع نہ کریں اور اگر رجوع کریں بھی تو سند کو دیکھ لیں لیکن خود اس نصیحت پر عمل نہیں کرتے۔

دوسری بات یہ کہ اس واقعہ کو سیوطی دو شکلوں میں ابن عمر سے نقل کرتا ہے کبھی کہتا ہے: عبداللہ ابن عمر نے سنا کہ ایک شخص مہاجرین کی بدخواہی کرتا ہے۔ اور کبھی سیوطی کہتا ہے: ابن عمر نے سنا کہ ایک شخص عثمان کی بدخواہی کرتا ہے۔ اُس (عبداللہ بن عمر) نے تینوں آیتیں، اُسی طرح جیسے بیان ہوئیں، اُس شخص کے لئے تلاوت کیں۔[1]

گویا کہ قصّہ خوان، جس نے اس قصّے کو گڑھا ہے، کبھی اس کو امام سجاد علیہ السلام اور دوسری طرف عبداللہ بن عمر سے نسبت دیتا ہے۔[2]

نہج البلاغہ سے ایک گواہی:

مصنف نے نہج البلاغہ سے ایک خطبہ نقل کیا ہے کہ امام علیؑ نے وہاں یاران رسول خداؐ کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے:

"لقد رأیت أصحاب محمّد (ص) فما أری أحداً یشبههم منکم لقد کانوا یصبحون شعثاً غبراً وقد باتوا سجداً وقیاماً یراوحون بین جباههم وخدودهم یقفون علی مثل الجمر من ذکر معادهم..."[3]

۱۔ الدر المنثور، ج ۸، ص ۱۱۳

۲۔ الدر المنثور، ج ۸، ص ۱۱۳

۳۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۹۷

ترجمہ : "بہ تحقیق میں نے یاران پیغمبر ﷺ کو دیکھا میں نے اُن جیسا کسی کو نہیں دیکھا دن کو گرد آلود بالوں کے ساتھ اور رات کو سجدے یا قیام کی حالت میں سر کرتے ہیں. کبھی اپنی پیشانی کو زمین پر رگڑتے ہیں اور کبھی رخسار خاک کے ساتھ آلودہ ہو جاتے ہیں. آخرت کی یاد سے اسقدر بے چین ہوتے تھے کہ گویا وہ آگ کے کسی ٹکڑے پر کھڑے ہوں".

تجزیہ :

پہلے تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ امام علی علیہ السلام تمام یاران پیغمبر ﷺ کی ستائش فرمارہے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ پندرہ ہزار شناختہ شدہ صحابی سے لے کر ایک لاکھ ناشناختہ صحابہ تک سب کی عدالت کی تعریف کریں یا آپ ایک خاص گروہ کے بارے میں فرمارہے ہیں ؟ یعنی "جو دن کو گرد آلود اور رات کو سجدے یا قیام کی حالت میں بسر کرتے ہیں کبھی پیشانی کو زمین پر رگڑتے ہیں اور کبھی رخسار کو. آخرت کی یاد اُنہیں اس طرح بے چین کرتی تھی جیسے وہ آگ کے ایک ٹکڑے پر کھڑے ہوں" . ہم سب جانتے ہیں کہ یہ خصوصیات بعض صحابہ کی ہیں سب کی نہیں کیوں کہ قطعی طور پر مندرجہ ذیل گروہ ان خصوصیات کے حامل نہیں ہیں :

۱. بوریہ نشین اعراب

۲. جو آخری لمحہ تک پیغمبر ﷺ کے ساتھ لڑتے رہے یہاں تک کہ مغلوب ہو گئے. پیغمبر صلعم نے اُن کو بخشا اور آزاد کر دیا.

۳. مرتدین اور وہ لوگ جو رحلت رسول خدا ﷺ کے بعد دین سے منہ موڑ گئے.

یہ تین گروہ آخری عمر تک اس طرح کی صفات کے حامل نہ تھے. آپ اگر چاہیں تو اُن

افراد کو پہچان سکتے ہیں. اب ہم اُن افراد میں سے چند کی مثالیں پیش کرتے ہیں جو امامؑ کے کلام کا مقصود ہیں :

۱. مصعب بن عمیر قریشی جو قبیلہ بنی عبدالدار میں سے تھے .

۲. سعد ابن معاذ انصاری جو اوسیوں میں سے تھے .

۳ . عبدابن رواحہ انصاری جو خزرج میں سے تھے .

۴ . جعفرابن ابی طالب جو بنی ہاشم میں سے تھے .

۵. عمار ابن یاسر

۶ . ابوذر غفاری

۷ . مقدار ابن اسود کندی

۸ .خبّاب ابن ارث

اور ان کی مانند وہ افراد جو غالباً اصحاب صفہ اور معاشرے کے غرباء میں سے تھے. امیر المؤمنین علیہ السلام اس تمام گروہ کے بارے میں فرمارہے ہیں، ایک ایک صحابی کے بارے میں نہیں کہ ہم اس کو تمام صحابہ کی عدالت اور تقوی کی سند سمجھ لیں.

دوسری بات ،ہم صحابہ کے بارے میں کوئی بات نہیں کرتے شیعوں پر یہ ناروا تہمت لگائی جاتی ہے اور اُنہیں صحابہ کو (نعوذ باللہ) گالی دینے کی خصوصیت کے ساتھ متعارف کرایا جاتا ہے. ہمارا عقیدہ ہے کہ ہر وہ شخص جسے پیغمبر اکرم ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی اور وحی و نبوت کے نور کو نزدیک سے دیکھا، خاص طور پر وہ افراد جنھوں نے بدر، اُحد اور احزاب کی جنگوں میں پیغمبر اکرم ﷺ کے شانہ بشانہ تلوار چلائی، سب کے سب قابل احترام ہیں. لیکن یہ مقام اور منزلت اس بات کا سبب نہیں بننا چاہیئے کہ ہم اُن کے تمام رویوں پر صحیح ہونے کی مہر لگادیں، چاہے اُنہوں نے آشکار طور پر کوئی کام خلاف شرع انجام دیا ہو یا کسی بے گناہ کا خون بہایا ہو. اگر امام زین العابدین علیہ السلام اصحاب

پیغمبر ﷺ کے بارے میں دعا فرماتے ہیں تو ایک خاص گروہ کو مراد لیتے ہیں اور فرماتے ہیں:

"اللهم واصحاب محمّد خاصّة الّذين أحسنواالصّحابة والّذين أبلُوا الحسن فى نصره"[۱]

ترجمہ: "اے پروردگار! یاران محمدؐ، بالخصوص وہ لوگ جو آپ کی نصرت میں بخوبی امتحان سے باہر نکلے....."

نتیجہ یہ کہ ان دعاؤں اور تاریخوں کے ذریعے ایک ایک صحابی کو لباس پاکیزگی نہیں بنایا جاسکتا اور نہ ہی اُن کو تنقید اور تحقیق سے بالاتر سمجھا جاسکتا ہے. بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ ہمنشینی سے فضیلت اور کرامت کے، امکانات بڑھ جاتے ہیں ،شرط یہ ہے کہ اُن سے کوئی خلاف شریعت عمل سرزد نہ ہوا ہو. صحابہ کا مقام پیغمبر اکرم ﷺ کے مقام سے بالاتر نہیں ہے، خدا اپنے پیارے رسول ﷺ سے اس طرح مخاطب ہوتا ہے:

"لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ"[۲]

ترجمہ: "اگر تم مشرک ہو جاؤ تو تمہارے تمام اعمال باطل ہو جائیں گے اور تم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے".

بطور مسلّم، پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم گناہ اور خطا سے معصوم ہیں لیکن اس کے باوجود، خداوند اس ضابطے کے ساتھ مجھے اور آپکو یہ سمجھا رہا ہے کہ کچھ افراد کو باقی انسانوں سے مافوق نہیں سمجھنا چاہیے اور اُن کے تمام افعال کو صحیح نہیں جاننا چاہیے. تعجب یہ ہے کہ پیغمبر گرامیؐ ارشاد فرماتے ہیں: "عمّار کا قاتل آگ میں ہوگا" اور اصحاب پیغمبر

۱۔ الصحیفۃ السجادیۃ، ص ۴۰

۲۔ زمر: ۶۵

صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں ایک شخص بنام "ابوالغادیہ جھنی" اُن کو قتل کرتا ہے. بجائے اس کہ کہ اُس کو اہل دوزخ جانیں اُس کے بارے میں کہتے ہیں :

"انّہ کان متأوّلاً وللمجتھد المخطیٔ أجر"[۱]

ترجمہ : "اُس نے پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حدیث کو تاویل کیا اور خطا کرنے والا مجتہد، اجر او پاداش کا مستحق ہے".

ایک صحابی دوسرے صحابی کا خون بہاتا ہے اور اُسے اہل دوزخ بھی سمجھتا ہے اس کے باوجود آپ کے خیال میں پاداش اور انعام کا مستحق بھی ہے. آج تک دنیا والوں نے یہ نہیں سنا کہ کوئی شخص کسی انسان کو جان بوجھ کر بے گناہ قتل کرڈالے اور یہ دعویٰ بھی کرے کہ میں اُسے "مھدورالدم" (جس کا خون آزادی سے بہایا جاسکتا ہو) سمجھتا تھا لہٰذا میں نے اُسے قتل کر دیا، پھر بعد میں اُس (قاتل) سے کہا جائے :

آپ کا شکریہ ! یہ آپ کا اجر ہے. صرف ابوالغادیہ جھنی ہی اس طرح نہ تھا بلکہ اُس کی مانند، اصحاب پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کم نہیں ہیں. مثال کے طور پر :

مسلم ابن عقبہ اشجعی یاران پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں سے تھا. جس وقت وہ اہل مدنیہ کے قتل وغارت سے فارغ ہوا تو اُس کے سپاہیوں نے تین دفعہ لوگوں کے مال کو لوٹا. اُس نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ فیصلہ کیا کہ اسی طرح کا سلوک مکّہ کے لوگوں کے ساتھ بھی کیا جائے کیونکہ ان دونوں شہروں کے لوگ اُمویوں کی حکومت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے.[۲]

بصر ابن ابی ارطاۃ، پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اصحاب میں سے تھا. وہ معاویہ کے حکم پر یمن اور حجاز کی طرف گیا اور اُس کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ جو لوگ حضرت علیؑ کی

۱۔ اصابۃ، ج ۳، ص ۱۵۰، باب الکنی۔

۲۔ تاریخ طبری، ج ۴، ص ۳۸۱، حوادث سال ٦۴

اطاعت کرتے ہیں اُن کے ساتھ سختی سے نمٹے. وہ ایسے جرائم کا مرتکب ہوا کہ ابن حجر کہتا ہے: بہتر ہے کہ نہ ہی کہا جائے. اُس کے جرائم میں سے ایک یہ ہے کہ اُس نے عبیداللہ ابن عباس جو حضرت علی علیہ السّلام کی طرف یمن کا گورنر تھا، اس کے دو بچوں کے سر کاٹ دیئے.[1]

صحابہ کے مختلف گروہ:

جناب شیخ صالح درویش جذبات کی رو سے بات کرتے ہیں جبکہ اُن کا عقیدہ ہے کہ صحابہ، فضیلت اور پاکی کے لحاظ سے مختلف مرتبوں کے حامل ہیں لیکن پاکی اور مقدس ہونے میں سب کے سب ایک جیسے ہیں، اُنہیں اگر موقع ملتا اور صحابہ سے متعلق آیات کا مطالعہ کرتے تو اس قسم کے نظریہ پر ضرور نظر ثانی کرتے کیونکہ قرآن نے انہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کیا ہے جن میں سے بعض تو بالکل کسی فضیلت کے اہل ہی نہ تھے معمولی شخصیت کے مالک تھے. اب ہم مختصر طور پر ان گروہوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں محترم قارئین متعلقہ آیات کی تفسیر کا مطالعہ کرکے بہتر طور پر آگاہی حاصل کر سکتے ہیں.

۱. شناختہ شدہ منافقین.[2]
۲. ناشناختہ شدہ منافقین.[3]
۳. بیمار دلوں والے منافقین.[4]
۴. موقعہ پرست مسلمان.[5]

۱۔ تاریخ طبری، ج ۴، ص ۱۷۰، حوادث سال ۴۰، سیر اعلام النبلاء، ج ۳، ص ۴۰۹، شمارہ ۶۵
۲۔ منافقون: ۱
۳۔ توبہ۔ ۱۰۱
۴۔ احزاب: ۱۲
۵۔ توبہ: ۴۷

۵ . ایسے لوگ جن کے جائز و ناجائز اعمال آپس میں مخلوط ہیں . [۱]

۶ . ایسے لوگ جو ارتداد (مرتد) ہونے کی حد تک پہنچ گئے . [۲]

۷ . ایسے لوگ جن کو پیسے کے ذریعے خریدا جاسکتا ہے . [۳]

۸ . ایسے لوگ جو کفّار کے مقابلے میں میدان جنگ سے بھاگ جاتے ہیں . [۴]

۹ . ایسے افراد جو فاسد اور نافرمان ہیں . [۵]

۱۰ . ایسے لولگ جو پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے راز کو فاش کرتے ہیں . [۶]

۱۱ . ایسے لوگ جو پیغمبرؐ کو اذیت پہنچاتے ہیں . [۷]

۱۲ . ایسے لوگ جو پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو نماز جمعہ کی خطبہ کی حالت میں چھوڑ کر کام اور تجارت کے پیچھے دوڑ پڑے . [۸]

جن صحابہ کی قرآن میں مذمت کی گئی ہے ان کی تعداد ان سے کئی زیادہ ہے لیکن ہم ان ہی بارہ گروہوں پر اکتفا کریں گے .

پس یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اصحاب پیغمبر ﷺ کوئی فرشتے یا مذکورہ انسان نہ تھے . اُن میں ایسے طبقے بھی تھے جو صالح اور پاک انسان تھے اور جب دعا کرتے تھے تو خداوند تعالی

---

۱ ۔ توبہ : ۱۰۲

۲ ۔ اعراف : ۱۵۴

۳ ۔ توبہ : ۶۰

۴ ۔ انفال : ۱۶،۱۵

۵ ۔ حجرات : ۶

۶ ۔ تحریم : ۴-۱

۷ ۔ احزاب : ۵۷

۸ ۔ جمعہ : ۱۱

کی طرف سے رحمت نازل ہوتی تھی. اُن ہی صحابہ کے درمیان مندرجہ بالا بارہ گروہ بھی دیکھے گئے جنہیں ہرگز عادل یا پارسا نہیں کہا جاسکتا لیکن چونکہ سب نے خدا کے نور کو دیکھا تھا لہٰذا احترام کے اہل ہیں. البتہ یہ احترام اُن کے غلط اعمال کو جائز نہیں بنا سکتا. اس وسیع بحث سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ:

۱. پیغمبر ﷺ کے سب یاران تقوی اور پرہیزگاری کے لحاظ سے یکساں نہ تھے بلکہ اُن کے درمیان متقی اور غیر متقی دونوں کا وجود تھا. ہماری اس بات کا ثبوت مذکورہ بارہ گروہوں کا وجود ہے.

۲. قرآن نے ہمیں ہرگز نہیں کہا کہ ہم صحابہ کے بارے میں تحقیق نہ کریں. یہ جو کہا جاتا کہ صحابہ کے اعمال کے بارے میں بحث اور غور و فکر نہ کریں، یہ قرآن کی تعلیمات کے خلاف ہے. یہ بات صرف اُن کے غلط اعمال کو چھپانے کے لئے کی جاتی ہے اگر واقعی طور پر بحث اور غور و فکر ممنوع تھی تو قرآن نے اُنہیں اُن متضاد صفتوں کے ساتھ کیوں یاد کیا ہے؟

۳. جب ہم اپنے دین کو پیغمبر ﷺ سے اس گروہ کے ذریعہ لیتے ہیں تو عقل کا تقاضا ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ باریک بینی کام لیں تاکہ دین کو پاکیزہ وشگاف سرچشمے سے حاصل کریں.

۴. بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ صحابہ کے بارے میں تحقیق اور جستجو کرنا دین کی بنیادوں کو کمزور کرنے کا باعث بنتا ہے جبکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ کام دین کی مضبوطی کا سبب بنتا ہے کیونکہ تحقیق کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے یہ سب ایک جیسے نہ تھے بلکہ اُن کے درمیان مقرب اور تابع افراد بھی تھے جن سے ہمیں اپنا دین لینا چاہیے.

۵. اگر گزشتہ عذر کو قبول کرلیا جائے تو پھر تابعین کے بارے میں بھی تحقیق نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ ہم نے تابعین کے ذریعے صحابہ سے دین لیا ہے.

۶ . قرآن نے کبھی بھی انہیں مذکورہ انسان نہیں سمجھا اور ہمیں اُن کے بارے میں غور و فکر کرنے سے نہیں روکا بلکہ بعض جگہوں پر بحث اور غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ولید ابن عقبہ ،جس نے قبیلہ بنی مصطلق کے بارے میں غلط خبر دی ،کے بارے میں فرمایا: "اِنۡ جَاءَكُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوۡا"[۱]

ترجمہ: "اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لے کر آئے تو اُس کے بارے میں تحقیق کر لینا".

۷. صحابہ ہر گز قانون سے ماورا نہ تھے اور شرعی قانون بنانے کے لئے اُن کا کردار معیار نہیں ہے نہ صرف اُن کا کردار قانون کو معیّن نہیں کرتا بلکہ اُن سب کو الٰہی قانون کی پیروی کرنی چاہیئے.

۱۰۔ ثقل اکبر و ثقل اصغر

محترم مصنف نے مندرجہ بالا عنوان کو ذکر کرتے ہوئے کتاب کے آخری حصّے تک اہل بیت سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے اور اس بات کی یاد دہانی کرائی ہے کہ پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ثقل اصغر یعنی اہل بیتؑ سے بھی اُسی طرح تمسک کیا جائے جس طرح ثقل اکبر یعنی قرآن سے . پھر وہ اہل بیتؑ کے مفہوم سے متعلق بات کرتے ہیں اور اہل بیتؑ کے بارے پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے چند اقوال کو نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں :

اس سے مراد بنی ہاشم و بنی مطلب ہیں پھر مزید کہتے ہیں : اہل سنت کی عقاید کی کتابوں میں سے کوئی ایسی کتاب نہیں جس میں اہل بیتؑ سے محبت و مودّت کا ذکر نہ ہو اور

۱۔ حجرات :۶

پیغمبر اکرمؐ کا وہ حکم جس میں آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: "أذکّرکم اللہ فی أھل بیتی أذکّرکم اللہ فی أھل بیتی".[۱]

تجزیہ وتبصرہ:

اس بات میں شک نہیں کہ برادران اہل سنت، اہل بیت علیہم السّلام سے محبت کرتے ہیں کیونکہ اُن کی محبت اور مودّت کا قرآن اور سنت میں ذکر ہوا ہے. اب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ آل رسولؐ سے محبت کرنے کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس سے مراد فقط دلی محبت ہے یا اپنی زندگی میں اس محبت کا ہدف اُن کے ساتھ تمسک اور اُن کی پیروی کرنا ہے؟ یا دوسرے لفظوں میں ان سے معرفت اور احکام کو اخذ کرنا ہے. کیونکہ مسلم کی روایت کے مطابق پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے دونوں کی تاکید کی ہے یعنی ثقل اکبر اور ثقل اصغر اور اس بات کی تاکید فرمائی کہ ثقل اصغر ہمیشہ قرآن کے ساتھ ہے. ان دونوں کے ساتھ تمسک کی تاکید کا مقصد ان سے ہدایت کا فیض حاصل کرنا ہے.

اس صورت میں ہم یہ سوال کرتے ہیں آپ برادران کا جو یہ دعوی ہے کہ آل رسول صلّ اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے مودّت اور عشق کرتے ہیں، تو آپ نے کس قدر اُن سے معرفت اور احکام کو حاصل کیا ہے؟ صحیح بخاری میں امام صادق علیہ السّلام سے ایک روایت بھی نقل نہیں کی گئی جبکہ عمران ابن حطان جو ایک خارجی ہے سے، بھی روایت لائی گئی ہے. آپ نے مکّہ اور مدینہ کے تمام فقہاء خاص طور پر مدینہ کے آٹھ فقہاء سے لے کر اُوزاعی اور ابن ابی لیلیٰ وغیرہ تک رجوع کیا ہے، اب یہ بتایئے کہ سنن اور صحاح میں آل رسولؐ سے کس قدر حدیث منعکس کی گئی ہے؟ آپ نے ابوہریرہ سے تو پانچ ہزار

۱۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل علی علیہ السلام، ج ۱۵، ص ۱۸۸۔

سے زیادہ روایتیں نقل کی ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ تقریباً تین سال گزارے، لیکن امیر المؤمنین علی علیہ السّلام جو بچپن سے لے کر آپؐ کی رحلت کے آخری لمحہ تک آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے، اُن سے صحاح اور سنن میں مجموعی طور پر آپ پانچ سو سے زیادہ روایتیں نہیں لے کر آئے.

اگر واقعاً آپ اس دوستی پر ثابت قدم ہیں تو اپنی کتابوں اور تقاریر میں سے اہلبیت علیہم السّلام کی تعلیمات میں سے تھوڑی مقدار ہی لے کر آئیں. مکہ اور مدینہ کی تمام لائبریریوں میں شاذونادر ہی کوئی ایسی کتاب ملے جس میں اہلبیت علیہم السّلام کی احادیث اور روایات ہوں. اگر کوئی عطیہ کرنا چاہے تو مشکل سے قبول کرتے ہیں اور پھر کسی دوردراز کونے میں قارئین کی نظروں سے اوجھل رکھ دی جاتی ہیں. دوسری بات اہلبیتؑ کے مفہوم کے بارے میں ہے. آپ کے خیال میں تمام بنی ہاشم وبن مطلب اس میں شامل ہیں. یہاں ہم آپ کی توجہ ایک نقطہ کی طرف دلانا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اگر اہلبیتؑ سے آپ کی مراد پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے رشتہ دار ہوں تو ظاہر ہے کہ یہ سب پیغمبر اکرم ﷺ کے رشتہ دار تھے اور اگر اُس سے مراد وہ اہلبیتؑ ہیں جن کا ذکر "حدیث ثقل" میں ہوا ہے یعنی: "انیّ تارك فیکم الثقلین، کتاب اللہ وعترتی أھل بیتی ما ان تمسّکتم بھما لن تضلّوا"

ترجمہ: "اے لوگو! میں تم میں دو گراں بہا چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں جب تک تم ان دو چیزوں کے دامن کو تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہ ہوگے".

تو اس روایت میں اہل بیتؑ کا ذکر قرآن کے ساتھ ہوا ہے اور واضح ہوتا ہے کہ اہلبیتؑ ہمیشہ قرآن کے ساتھ ہیں. یہ ضروری ہے کہ اہلبیتؑ قرآن کی مانند ہدایت کا وسیلہ اور ہر قسم کی خطاء سے منزّہ ہوں اور یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ تمام بنی ہاشم وبنی عبدالمطلب خطاء سے پاک نہ تھے اور اُن سے غلطیاں بھی سرزد ہوئیں.

اس حصّے میں ہم ایسی روایات کی جستجو کریں گے، جن میں اہل بیتؑ کے معنی کو بیان کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے ہم نے یہ ذکر کیا کہ پیغمبر اکرمؐ نے امّ سلمیٰ کے گھر میں پنجتن پاکؑ پر ایک عبا ڈالی اور فرمایا: "اللھم هؤلاء أهل بيتى". حتیٰ جب امّ سلمیٰ نے اُس عبا کے نیچے آنا چاہا تو پیغمبر اکرمؐ نے اُن کو اس کام کا منع فرمادیا۔

دوستانہ شکوہ:

جناب درویش ایک روایت کو پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے نقل کرتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ نے اپنے صحابہ کو درود بھیجنے کا طریقہ سکھایا تو ارشاد فرمایا کہ مجھ پر درود بھیجتے وقت یوں کہو: "اللھم صلّ اللہ محمد وآل محمد ...."اب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ جمعہ کی نماز کے خطبوں اور آپ کی تمام کتابوں میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر درود بھیجتے وقت آل محمد کو شامل کیوں نہیں کیا جاتا اور سب یہی کہتے اور لکھتے ہیں: ''صلّی اللہ علیہ وسلّم''؟! اور حیران کن بات یہ ہے کہ جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے نام مبارک کے ساتھ آل محمّد کا ذکر کرتے ہیں تو فوراً ہی صحابہ (صحبہ) کا اضافہ کردیتے ہیں جبکہ کسی روایت میں بھی آنحضرت پر درود بھیجنے کے ساتھ صحابہ پر دورد بھیجنے کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس صورت میں خطبوں اور کتابوں میں رائج صلوٰت یا تو ناقص ہے یا پھر اُس چیز کے خلاف ہے جس کا آنحضرتؐ نے حکم دیا۔ پس کہاں ہے آپکی اہل بیتؑ سے محبت ومودّت اور کیوں آپ ان امور کی اصلاح کے بارے میں نہیں سوچتے؟ صاحب قلم دوست شیخ صالح آگے بڑھتے ہوئے اہل بیتؑ کے حقوق کے ایک حصّے کو شمار کرتے ہیں لیکن اُنھوں نے اس بارے میں تحقیق نہیں کی۔ جو کوئی قرآن وسنت کی نظر سے اہل بیتؑ کے حقوق کو جاننا چاہیے وہ کتاب ''مفاہیم القرآن'' جلد دس (۱۰) کی طرف رجوع کرے۔ یہاں ہم اہل بیتؑ کے چیدہ چیدہ حقوق کا ذکر کرتے ہیں۔

۱. ولایت اور حکومت (سیاسی مرکزیت)
۲. اُن سے دین لینا (علمی مرکزیت)
۳. اُن کی اطاعت کرنا.
۴. اُن سے مودّت کرنا
۵. تشہد میں اُن پر صلوٰت بھیجنا.
۶. اُن کو خمس ادا کرنا.
۷. ان کو مال غنیمت ادا کرنا.
۸. اُن کو انفال (آزاد شدہ زمینیں) پیش کرنا
۹. اُن پر صدقہ کا حرام ہونا
۱۰. اُن کے گھروں کو ترقی دینا.

۱۱۔ تفرقہ آمیز افسانہ؟!
یا
حضرت زہراؑ کی شہادت

مصنف کہتا ہے: "تعجب والی بات ہے کہ گذشتہ کچھ عرصے سے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شہادت کا افسانہ گڑھا گیا ہے اور اسے بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے جو واقعاً مضحکہ خیز بات ہے. یہ بعید ہے کہ اہل بیتؑ کے ساتھ اخلاص اور اُن پر ایمان رکھنے والے، ان بیہودہ باتوں کو قبول کریں، البتہ وہ حق بھی رکھتے ہیں کیونکہ جب کوئی مطالعہ نہ کرے ،کتابوں تک رسائی نہ رکھتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ علماء اور روشن فکر یا کم از کم غیر

جانب دار افراد کے ساتھ رابطہ نہ ہو تو کہاں سے جانے لگا کہ یہ داستانیں اور افسانے صرف اور صرف جھوٹ ہیں ؟[1]

تجزیہ و تبصرہ:

جناب درویش صاحب ! یہ یاد دہانی کرادوں کہ حضرت زہراؑ کی شہادت حقیقت ہے اور افسانہ نہیں ہے. مجھے بے حد خوشی ہوتی اگر یہ افسانہ ہوتا کیونکہ پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی دختر گرامی کی اس طرح ہتک حرمت نہ ہوتی لیکن کیا کروں اس آرزو کا عملی ہونا ممکن نہیں اور یہ ماجرا حقیقت رکھتا ہے. اس تحریر کے شروع میں ہم نے خانہ وحی پر حملے کے غم انگیز واقعہ کا خلاصہ " تفرقہ کا سبب کیا ہے "کے عنوان سے پہلے باب میں ذکر کیا ہے. مزید عربی عبارتوں کو لانے کی ضرورت نہیں یہاں صرف اُن سب کا خلاصہ نقل کرتے ہیں.

بلاذری نے اپنی کتاب "انساب الاشراف "[2] میں "ہتک حرمت" کا نام لیا ہے اور اسے واضح طور پر بیان کیا ہے. ہم یہاں صرف ترجمہ پہ اکتفا کرتے ہیں.

"ابوبکر نے حضرت علی علیہ السّلام کی طرف کسی کو بھیجا تاکہ وہ بیعت کریں لیکن اُنہوں نے ابوبکر کی بیعت سے انکار کردیا. پھر عمر سوکھی لکڑیاں لے کر چل پڑا اور گھر کی دہلیز پر فاطمہ علیہا السّلام سے سامنا ہوا. فاطمہ علیہا السّلام نے فرمایا: اے خطاب کے بیٹے کیا تم میرے گھر کو جلانے کے درپے ہو ؟ عمر نے کہا: ہاں، یہ کام آپ کے والد کے لائے ہوئے دین میں مستحکم اور بہتر ہے ! "

۱۔ وحدت و شفقت، ص ۱۰۸

۲۔ انساب الاشراف، ج ۱، ص ۵۸۶، چاپ دار معارف، قاہرہ۔

اس تاریخی سند سے دو باتیں سامنے آتی ہیں.

۱ . خلیفہ اوّل کی بیعت، دھمکی اور رُعب کے ساتھ لی گئی جبکہ کسی قسم کی آزادی اور انتخاب کا وجود تک نہ تھا. اب یہ پوچھنا چاہیئے کہ کیا اس قسم کی بیعت اہمیت کی حامل ہے ؟

۲ . پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی دختر گرامی کے گھر کو جلانا،

نظام خلافت کے لئے اتنی اہم بات نہ تھی. بلاذری، جس نے خانہ وحی پر حملے کا ذکر کیا ہے، کے علاوہ بھی ایک گروہ نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے جن اسناد کا حاشیہ میں ذکر کیا گیا ہے [۱]، اُن کی طرف رجوع کرنے کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ماجرا کوئی نیا افسانہ نہیں بلکہ ایک پرانی حقیقت ہے. ان تاریخی شواہد میں یہ بات واضح ہے کہ ابوبکر کی بیماری کے دنوں میں عبدالرحمٰن بن عوف اُس کی عیادت کے لئے گیا.

ابوبکر نے عبدالرحمٰن کے ساتھ ایک لمبی گفتگو کے بعد کہا: میری آرزو ہے کہ کاش میں نے تین کام انجام نہ دیئے ہوتے اور تین چیزیں پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے پوچھ لیتا. اُن تین کاموں میں سے ایک کام جسے کاش میں نے انجام نہ دیا ہوتا ، یہ ہے کہ کاش میں نے فاطمہؑ کے گھر کی بے احترامی نہ کی ہوتی اور اُن کو اپنے حال پر چھوڑ دیتا، اگرچہ ان کے دروازے کو (مسجد کی طرف) بند کرنا جنگ کی علامت تھی....."

جناب شیخ صالح درویش ! جس چیز کو آپ افسانہ سمجھ رہے ہیں اُسے مصر کا ایک مشہور شاعر حقیقت جانتا ہے اور اس کام کو عمر کے لئے فخر شمار کرتا ہے، آپ کس طرح اُسے افسانہ تصور کرتے ہیں؟ !

محمد حافظ ابراہیم اپنے قصیدۂ عمریہ میں (جو اُس نے عمر کی مدح میں لکھا ہے) خلیفہ

---

۱ ـ ابو عبید، کتاب الاموال، ص ۱۹۵، محمد بن سعد الطبقات الکبری، ج ۸، ص ۲۷، ابن عبد ربّہ، العقد الفرید، ج ۴، ص ۲۶۳، مسعودی، مروج الذھب، ج ۲، ص ۳۰۱، ابن عساکر، مختصر تاریخ مدینہ دمشق، ج ۱۳، ص ۲۲۲، چاپ دار الفکر، شمس الدین ذہبی، تاریخ الاسلام، ج ۳، ص ۱۱۷ـ ۱۱۸ و...

کی ہتک حرمت کے فیصلے کو اُس کے لئے فخر شمار کیا ہے اور قصیدے کے ذیل میں اس طرح کہتا ہے:

وقولةٍ لعلّی قالها عمر أکرم بسامعها أعظم بملقیها

ترجمہ: "جو بات عمر نے علی سے کہی اُس کے سننے والا کتنا بڑا اور اُس کا کہنے والا کتنا باعظمت تھا"

حرّقتُ دارک لا أُبقی علیک بها إن لم تُبایع وبنتُ المصطفی فیها

ترجمہ: "میں تمھارے گھر کو آگ لگادوں گا اور تمہیں اُس گھر میں زندہ نہ چھوڑوں گا اگر تم بیعت نہ کرو، باوجود اس کے کہ پیغمبر کی بیٹی اُس گھر میں ہیں".

ماکان غیر أبی حفص بفوهٔبها أمام فارس عدنانٍ وحامیها

ترجمہ: "کیا اُس منفرد عدنانی عرب گھڑ سوار (علی علیہ السّلام) اور اُن کے حامیوں کے سامنے عمر کے علاوہ کوئی دوسرا یہ بات اپنی زبان پر لاسکتا تھا؟"

یہ تلخ اور دلسوز واقعات سبب بنے جن کی وجہ سے فاطمہ سلام اللہ علیہا اپنے والد بزرگوار کے بعد چند شب وروز ہی زندہ رہیں اور شربت شہادت نوش کیا. یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ شروع کی چند صدیوں میں قلم صرف اُمیوں اور عباسیوں کے ہاتھ میں تھا یقیناً ایسے حقائق موجود تھے لیکن خوف کی وجہ سے زبان پر نہ آئے. مذکورہ شواہد اور ان کے علاوہ کچھ اور اسناد کا موجود ہونا بھی ایک تاریخی معجزہ ہے۔

عائشہ، اور حضرت زہراؑ کی مظلومیت کی داستان:

صحیح بخاری عائشہ کی زبان سے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے درد دل کو اس طرح بیان کرتی ہے: دختر گرامی پیغمبرؐ، فاطمہؑ نے کسی کو ابوبکر کے پاس بھیجا تاکہ وہ تین چیزوں کو لوٹادے.

۱. رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے اُن کی وراثت.

۲. فدک

۳. خیبر کے مال غنیمت میں سے بچا ہوا کچھ مال

ابو بکر نے جواب میں کہا کہ اُس نے پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے سنا ہے: "نورث ما ترکنا صدقة....."

ترجمہ: "ہم پیغمبر وراثت نہیں چھوڑتے جو کچھ باقی رہ جائے وہ صدقہ ہے اور آل محمدؐ کی زندگی اسی حال سے گزرتی ہے" یہاں تک کہ عائشہ کہتی ہیں: فاطمہؑ ابو بکر کے جواب سے غضبناک ہوئیں، وہاں سے چلی گئیں، اس کے بعد اُس سے کبھی بات نہ کی اور پیغمبرؐ کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں[۱]، جب فاطمہؑ اس دنیا سے گزر گئیں تو اُن کے شوہر علیؑ نے انہیں رات کے وقت دفن کیا اور ابو بکر کو ان کی وفات کے بارے میں آگاہ نہ کیا. جب تک فاطمہؑ زندہ رہیں علیؑ نے ابو بکر کی بیعت نہ کی.[۲]

مذکورہ حدیث یہ بتاتی ہے کہ امام اور اُن کی زوجہ نے چھ ماہ تک اُس کی بیعت سے ہاتھ اُٹھائے رکھا. اگر ابو بکر کی خلافت، شرعی اور تمام شرائط کی حامل تھی تو کیوں دختر گرامی پیغمبر فاطمہ سلام اللہ علیہا نے اُس سے ناراضگی کی حالت میں اِس دنیا کو الوداع کہا اور اُن کے شوہر نے بھی چھ ماہ تک اُس کے ہاتھ پر بیعت نہ کی؟

۱۲. دست نیاز

جناب شیخ صالح نے "دست نیاز" کے عنوان سے دو نقطوں کا تذکرہ کیا ہے:

۱۔ صحیح بخاری، باب غزوۂ خیبر، حدیث ۴۲۴۱

۲۔ صحیح بخاری، باب غزوۂ خیبر، حدیث ۴۲۴۱

۱. ہم کسی چیز کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام پر مقدم نہ جانیں.
۲. ہم صحابہ اور اہل بیت پیغمبرؐ کے لئے دل میں کسی قسم کا کینہ نہ رکھیں.

اُن کی مندرجہ بالا دونوں ضرورتیں اہل تشیع کی جانب سے پوری ہو چکی ہیں، اب صرف وہ خود اور اُن کے ہم فکر افراد رہ جاتے ہیں۔ ہم بھی کہتے ہیں :یا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ...[۱]

ترجمہ : " اے ایمان والو خدا اور اُس کے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر سبقت نہ لو ہمارا بھی یہ عقیدہ ہے کہ : وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ...[۲]

ترجمہ : " کسی مرد اور عورت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جب خدا اور رسولؐ کسی بات کا حکم دیں تو اپنے لیے سوائے اُسے قبول کرنے کے کوئی اور اختیار رکھیں" .

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ خدا کا فیصلہ کیا تھا؟ خدا اور اُس کے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اہل بیتؑ علیہ السلام کے کلام اور اُن کے کردار سے تمسک کو ہدایت اور نجات کا سبب بتایا ہے.

پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے خاندان رسالتؐ کو نوحؑ کی کشتی سے تشبیہ دی ہے. جو بھی اُس کے ساتھ ہو، نجات پائے گا اور جو اُس سے جدا ہو جائے وہ ہلاک اور گمراہ ہو جائے گا.

اس بات کی یاد دہانی ضروری ہے کہ اُن کی یہ ضرورت ان دو فرمودات پر عمل کرنے سے ہی پوری ہوتی ہے. اسی طرح کوئی بھی شیعہ فرد، اصحاب پیغمبرؐ کے بارے میں، اس لحاظ سے کہ وہ آپؐ کے یار و مددگار تھے، کسی قسم کا کینہ دل میں نہیں رکھتا لیکن اس کا

۱۔ حجرات :۱
۲۔ احزاب، ۳٦

مطلب یہ نہیں کہ ہم اُنہیں مافوق انسان اور قانون الٰہی سے بالاتر سمجھیں، اگر وہ قانون کی خلاف ورزی کریں تو ہم اپنے قلم اور ہونٹوں پر مہر لگادیں اور اُن کے بارے میں نہ کچھ لکھیں اور نہ کچھ بولیں. میں یہاں اپنے صاحب قلم دوست کو الوداع کہتا ہوں ، اپنی ہمدردانہ نصیحتیں اُن کے حضور پیش کرتا ہوں اور خداوند متعال سے اپنے لیے اُن کے لئے اور تمام محبّان اہل بیت علیہم السّلام کے لئے مغفرت کی آرزو کرتا ہوں.

۱۹ رمضان ۱۴۲۷ھ. ق

بمطابق ۲۱ مہر ۱۳۸۵

قم المشرفہ